

# یکھڑنا بھی ضروری تھا



ہماراؤ



# نچھڑنا بھی ضروری تھا

ہماراؤ

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اردو بازار، لاہور

فون: 37232336-37352332-042

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	.....	پہچرنا بھی ضروری تھا
مصنف	.....	ہمارا ڈاک
ناشر	.....	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	.....	سرخ شکر پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	.....	دلدار حسین
قیمت	.....	300/- روپے
سن اشاعت	.....	اگست 2016ء
.....	.....	ملنے کے پتے

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی	کتاب گھر
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
خزینہ علم و ادب	ویکم بک پورٹ
انکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور	اُردو بازار، کراچی
بیکن بیکس	رشید نیوز ایجنسی
گھگھٹ کالونی، ملتان	اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی
کشمیر بک ڈپو	فرید پبلشرز
تلہ گنگ روڈ، چکوال	اردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طبعیت، صحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب!

محبت کرنے والوں کے نام!  
پھڑ جانے کی اذیت کو  
اگر تم جانا چاہو  
تو کچھ ہل کو ذرا یہ سانس اپنی روک کر دیکھو  
تمہیں محسوس یہ ہوگا  
پھڑ ناموت جیسا ہے

## پیش لفظ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ شکر ہے اللہ پاک کا جس نے مجھے لکھنے کی خدا داد صلاحیت عطا فرمائی۔

”مجھڑنا بھی ضروری تھا“ میرا پہلا ناول ہے۔ یہ ناول میرے رائج کیریئر کا ایک ایسا سنگ میل ہے۔ جو میرے لیے بہت خاص اور اہم ہے۔ اس ناول کو لٹے والا فیڈ بیک میری توقع سے بڑھ کر رہا۔ قارئین نے اس ناول کو جتنا پیار دیا اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ جس کے لیے میں اپنے اللہ پاک کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے اتنی کامیابی عطا فرمائی۔

اس ناول کے اسلوب اور کرداروں کو بہت پسند کیا گیا۔ خاص طور پر مومنہ کے کردار کو جو حساس، خوددار اور مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔ جو کٹھن حالات میں سخت مصائب سے نبرد آزما ہے۔ اعتبار ہر رشتے میں سب سے اہم ہے۔ اور بے اعتباری مضبوط سے مضبوط رشتے کو کمزور کر دیتی ہے۔ مومنہ، عمر بلی اس ناول کے خاص کردار ہیں۔

میں اپنے والدین، اپنے بھائیوں، اپنے شوہر کی دل سے مشکور ہوں کہ آپ سب نے ناول لکھنے سے اس کی اشاعت تک اور اس کی اشاعت سے کتابی شکل میں آنے تک میرا حوصلہ بڑھایا۔ میں آپ سب کی محبتوں کا قرض کبھی نہیں ادا کر سکتی۔ اور خاص طور پر علم و عرفان پبلشرز کے مالک گلفر ازا احمد کا شکریہ جنہوں نے خواب کو حقیقت کا روپ دیا۔

دعاؤں کی طالب

ہماراؤ

## پچھڑنا بھی ضروری تھا

مومنہ کو دیکھ کر صبح کی چلتی ہوئی نرم ہوا کا خیال آتا تھا، ویسی ہی پاکیزہ، ویسی ہی نرم اور خالص۔

بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی اور اس وقت وہ سفید پونیفارم میں کنول کے پھول کی طرح شگفتہ لگ رہی تھی۔

صبح کی تازہ ہوا سبک روی سے چل رہی تھی، پچھلی ایک رات اور ایک دن مسلسل بارش کے بعد آسمان کی نیلاہٹ اور بھی حسین لگنے لگی تھی، سورج کی روشنی بھی مدھم تھی، قوی امکان تھا تھوڑی دیر تک دور دور منڈلاتی سرمئی بدلیاں یکجا ہو کر سورج کو اپنی آغوش میں چھپالیں گی اور پھر جوں ہی بارش برسے گی تو دھرتی جل تھل ہو جائے گی، وہ لان میں کھڑی چنبیلی کے پھول توڑ رہی تھی۔

”السلام علیکم!“ مومنہ نے سر اٹھا کے دیکھا، علی صبح کی طرح نکھر نکھر اسانے کھڑا تھا۔

”علیکم السلام!“ وہ شگفتگی سے بولی، پھر دوبارہ پھولوں کی جانب متوجہ ہو کر گویا ہوئی۔

”تم! روزانہ صبح مجھے سلام کرنے کیوں آتے ہو؟“

”اس لیے کہ سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔“ وہ ہنس پڑا۔

”اپنے بزرگوں کو سلام کیا کرو، ہو سکتا ہے ان کی دعاؤں سے تمہیں کچھ عقل آئے۔“

”اسی لیے روزانہ آپ کو سلام کرنے آتا ہوں۔“ وہ بھی علی تھا، مومنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”سنو! اس سفید پونیفارم میں ایسے لگ رہا ہے جیسے پرستان کی پری زمین پر اتر آئی ہو۔“

”اور اس سیاہ شلوار قمیض میں تمہیں دیکھ کے ایسے لگ رہا ہے جیسے کوئی دیوار میرا راستہ روکے کھڑی ہو۔“ اس کی

بات پر وہ تہقہہ لگا کر رہ گیا۔

”خالہ کہاں ہیں؟“

”وہ اپنے کمرے میں قرآن پاک پڑھ رہی ہیں۔“

”کاج کب جاؤ گی؟“ علی نے کھڑی دیکھی۔

”نمر کا انتظار کر رہی ہوں۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”میں چھوڑ آتا ہوں۔“

”شکریہ! میں چلی جاؤں گی۔“

”روزانہ پیدل جاتی ہو، آج تمہیں گاڑی کی سیر کروا تا ہوں۔“ علی نے لالچ دیا۔

”مجھے پرانی گاڑی میں بیٹھنے کا شوق نہیں ہے۔“ مومنہ نے فوراً جواب دیا۔

”پرانی گاڑی اپنی بھی ہو سکتی ہے، آپ حکم کریں۔“  
”سدھر جاؤ۔“

”سدھر جاؤں گا بشرطیکہ سدھارنے والی تم ہو۔“ علی یہ کہہ کر ہنس پڑا۔  
”اب اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے؟“ مومنہ اس کی مسلسل ڈھنائی پر چڑھ گئی۔  
”مسلمان کا مسکرا کر دیکھنا بھی صدقہ ہے۔ نیکی کر رہا ہوں۔“ وہ کان کھجا کر بولا۔  
”علی! تم بہت ڈھیٹ ہو۔“ مومنہ نے غصہ سے گھورا۔

”دیکھ مگر پیار سے۔“ علی بے ساختہ بولا۔

”یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ مومنہ تپ ہی تو گئی تھی۔

”آج ایک رکشے کے پیچھے لکھا پڑا تھا، کیا جملہ ہے۔“ علی سادگی سے بولا تو مومنہ سمجھ گئی اس سے فضول بحث میں الجھنے سے بہتر ہے کہ وہ خاموش رہے، اتنے میں نرا آگئی تو وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور علی اندر کی طرف۔

☆☆☆

ساون کا موسم عروج پہ تھا، دن رات کی بارش نے گرمی کی شدت ہی کیا دلوں کی بیزاری بھی دور کر دی تھی۔ مومنہ بی اے کی ڈپن طالبہ تھی، اس وقت چھٹی کے بعد ایک سایہ دار درخت کے نیچے کھڑی اپنے پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی، تیز ہواؤں کے جھونکے کے ساتھ بوندوں کی بو چھاڑ بہت بھلی لگتی لیکن اس وقت مومنہ کو فکر یہ تھی کہ یونیفارم نہ بھیگ جائے، مومنہ نے ہاتھ سے بھیکے کپڑوں کو جھاڑا، پوائنٹ میں وقت تھا اور دور دور تک اس کو مطلوبہ بس نظر نہیں آ رہی تھی، ویسے تو گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا، وہ اکثر پیدل ہی آتی تھی لیکن مسلسل تین دن کی بارش نے اس علاقے کا نظام خراب کر دیا تھا، علاقے کی سڑکیں ناہموار اور سیوریج کا انتظام غیر موثر تھا، انتظامیہ کی نااہلی کے باعث رحمت بھری بارش زحمت بن جاتی تھی اور لوگ کوفت میں مبتلا ہو کر جلد ہی رکنے کی دعا کرتے تھے۔

”کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو آج انتظار کی کوفت سے دو چار نہ ہونا پڑتا۔“ دل میں گہری سی ٹیس اٹھی، اچانک پسندیدہ موسم اسے پریشان کرنے لگا، زن سے ایک موٹر سائیکل اس کے پیروں کے پاس آ کر رکئی، وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی، موٹر سائیکل سوار نے اس کے ڈرنے پہ دانت نکالے۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ مومنہ کو شدید غصہ آیا۔

”بیٹی، موسم خراب ہے، دور تک کوئی بس نہیں ہے۔“ اس نے کہا اور بے فکری سے ہنس پڑا۔

قبل اس کے کہ وہ اپنی بے بسی پہ رونا شروع کر دیتی اس کا پوائنٹ آ گیا، وہ بھاگتے ہوئے اس پر چڑھ گئی اور پوائنٹ کے چلنے پہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

گھر آ کر بھی وہ قدرے خاموش تھی، پختہ کھلے سے صحن میں ایک طرف جاسن کا بڑا درخت پھیلا تھا، اس کے سبز پتے ہوا سے ٹوٹ کے ادھر ادھر نکھرے پڑے تھے، ٹپ ٹپ پکی ہوئی جاسن نیچے گر رہی تھیں، درخت کے نیچے بڑا سا پرندوں کا ہنجرہ تھا، جس میں رنگ برنگے ننھے ننھے آسٹریلیین طوطے پر پھیلانے ادھر سے ادھر اڑتے ماحول میں خوبصورتی اور رنگینی کا اضافہ کر رہے تھے، برآمدوں کا سرخ فرش بھیگ کر کچھ اور سرخ ہو گیا تھا، ستون کے ساتھ لپٹی سبز تیل سے آتش

گلابی پھول ٹوٹ ٹوٹ کر بارش کے پانی میں رنگ گھول رہے تھے، چھت کے اوپر جاتی ہر سیڑھی پر چھوٹے چھوٹے گلے رکھے تھے، جن میں مختلف قسم کے پورے ماحول کو تروتازہ کر رہے تھے، فضا میں بارش کی خوشبو کے ساتھ پکوان تلنے کی خوشبو پھیلی تھی۔

”زیادہ سوچنے سے جھریاں پڑ جاتی ہیں اور خواتین قبل از وقت بوڑھی نظر آنے لگتی ہیں۔“ علی خاصی دیر سے دیکھ رہا تھا، وہ خاموش ہے سو اس کا دھیان بنانے کے لیے اسے چھیڑنا شروع کر دیا، مومنہ نے کوئی جواب نہیں دیا، تب ہی نمر ا گرم گرم پکوڑے، رائیہ اور املی کی چٹنی لیے آئی۔

”چائے بھی ہو جائے تو ڈیزیز کرن مزہ آ جائے۔“ علی نے گرم پکوڑا منہ میں اٹھا کے ڈالا۔

”واہ بھئی واہ مزہ آ گیا، کیا لذیذ پکوڑے ہیں۔“

”مومنہ! تم بھی نمر اسے سے بنانا سیکھ لو۔“ علی بولا۔

”کیوں؟“

”سنا ہے مردوں کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔“ علی نے شرارت سے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”علی! تم انتہائی فضول انسان ہو۔“ مومنہ نے ناگواری سے کہا اور علی مسکرا دیا۔ اس کا مقصد مومنہ کا محض دھیان بٹاننا تھا، پھر دونوں بحث و مباحثے میں الجھ گئے۔

☆☆☆

جاوید احمد فیکٹری میں سپروائزر تھے، وہ انتہائی محنتی اور ایماندار تھے، وہ شریف انفس انسان تھے، فیکٹری میں سب انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ان کی بیوی صالحہ خاتون سادہ، ملنسار اور صابر و شاکر مزاج کی مالک تھیں، محدود آمدنی میں بھی کبھی کوئی گلہ نہ کیا اور نہ ہی کبھی شوہر کو پریشان کیا، کٹھن حالات میں بھی ہمت سے کام لیا، دونوں میاں بیوی میں مثالی محبت تھی، ان کی دو بی بیٹیاں ہیں، نمر ا جو بڑی تھی وہ بی اے کرنے کے بعد کی مناسب رشتے کے انتظار میں تھی، فی الحال اپنے سلیقے سے گھرداری کو چار چاند لگانے میں مگن تھی، اس سے چھوٹی مومنہ تھی مومنہ بے حد حسین تھی، نین نقش ماں کے چرائے تھے، عادات باپ کی اپنائی تھیں، ذہین، حساس، خوددار اور باکردار تھی، وہ گریجویشن کر رہی تھی۔

علی اس کی خالہ زاد صائمہ کا بیٹا تھا، صائمہ خالہ، صالحہ خاتون کے برعکس تھی، انتہائی اکھڑ، خود پسند اور مغروری، ان کے میاں صادق علی ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھے اوپر کی کمائی سے کافی کمپکے تھے، ان کی امارت اور شاہ خرچی کی خاندان میں دھوم تھی، صائمہ، صالحہ خاتون کے گھر کبھی کبھار ہی جاتی تھی، دونوں کے مزاج میں نمایاں تضاد تھا۔

علی ان کا اکوٹا بیٹا تھا جو کہ دونوں کو بے حد عزیز تھا علی خوبرو اور ضدی نوجوان تھا، وہ اپنی خالہ زاد صومنہ کے حسن کے سحر میں مبتلا، اس سے گاہے بگاہے اظہار محبت کرتا رہتا، مگر وہ اس کی باتوں کو سنجیدہ نہیں لیتی اور ٹال جاتی جبکہ علی کا یہ حال تھا کہ اسے دیکھے بنادن نہیں گزرتا تھا، وہ ان کی محبت کے حصار میں قید تھا اور اس قید سے رہائی ناممکن تھی۔

☆☆☆

مومنہ اس وقت صحن میں جھاڑو لگا رہی تھی، علی اسے دیکھ رہا تھا، جب وہ مومنہ کی آنکھوں میں دیکھتا تو ایسے لگتا



جیسے ان آنکھوں کی گہرائی میں ڈوب جائے گا، ان آنکھوں میں مومنہ کے لیے صرف محبت وارفی جذبوں کی انتہائی، ان آنکھوں میں چاہتوں کے کنول کھلے تھے، امیدوں کے جہان آباد تھے۔

وہ بغور مومنہ کو دیکھ رہا تھا، اس کی نگاہوں کی تپش سے مومنہ نے چونک کر اسے دیکھا، علی کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی اور آنکھوں میں بے نام ہی شرارت۔

وہ جھاڑو رکھ کے غصے میں اس کے سامنے آئی اور علی کو گھورنے لگی، شفاف آئینے جیسی آنکھیں تھیں جو اس اجلی دھوپ میں بے تحاشا روشن ہو گئی تھیں، مومنہ کو علی کی چمکتی آنکھوں میں اپنا عکس بخوبی نظر آ رہا تھا۔

”علی! تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے جو ہر وقت میرے گھر میں نظر آتے ہو؟“

”میرے سب راستے تمہاری طرف آتے ہیں، ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے زندگی تمہاری طرف بلا رہی ہے۔“ علی نے محبت مغلوب سے لہجے میں کہا۔

”اف.....“ مومنہ نے سر ہٹا لیا۔

”یہ شخص اتنا ثابت قدم کیوں ہے اور اس کی باتیں۔“ مومنہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”شادی کرو گی مجھ سے؟“ علی کی شفاف آنکھیں مومنہ کے گرد حصار تک کر رہی تھیں، علی کی آنکھوں میں سچائی اور محبت سمٹ آئی تھی، مومنہ کو بس ایک پل لگا، سنچلنے میں اور اس کے انتہائی سنجیدہ سوال کو نظر انداز کرنے میں۔

”شکل دیکھی ہے اپنی، تم سے شادی کروں گی میں۔“ تب ہی دروازے پہ دستک ہوئی، علی دروازے کی جانب جاتے ہوئے بولا۔

”میری بات پہ سوچنا ضرور۔“ وہ مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا، مومنہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، علی کا رویہ شروع سے ہی مومنہ کے ساتھ ایسا تھا، انرا اور دیگر تمام کمرز کے ساتھ وہ بہت ادب سے پیش آتا تھا، مومنہ کا خیال تھا، وہ مومنہ سے زیادہ بے تکلف ہے لہذا وہ اسے تنگ کرتا ہے، مومنہ نے کبھی اس کی محبت کو سمجھا نہیں تھا یا سمجھنا نہیں چاہتی تھی، کزن کی حیثیت سے وہ اسے ناپسند نہیں کرتی تھی، وہ پڑھا لکھا بااخلاق تھا، ہینڈسم تھا، مومنہ کی اور نمرائی جس دوست نے بھی دیکھا تعریف کیے بنا نہیں رہ سکی، لیکن اس کا روزانہ آکر مومنہ کو اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھنا، تنگ کرنا، ذومنی جملے بولنا، مومنہ کو تپا دیتا تھا، مومنہ سمجھتی تھی وہ محض اسے ستانے کے لیے اسے تنگ کرتا ہے وہ بے خبر تھی کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے، اگر اسے علی کے دل کی گہرائی کا پتہ چل جاتا تو خود کو خوش نصیب تصور کرتی۔

پہلی محبت کی پہلی آواز ایک واہمے کی طرح پیچھا کرتی ہے، انسان کے دل کا، مجھے ”تم سے محبت ہے۔“ کی گونج ہر موڑ پہ سنائی دیتی ہے۔ پہلے لمس کا احساس رنگ کی طرح ذات کے عکس میں سمٹ آتا ہے۔

☆☆☆

فائل کے کور پر رٹلین مار کر سے اپنا نام لکھ کر وہ بڑے انہماک سے اس کے ارد گرد بیل بوٹے بنا رہی تھی، ساتھ ساتھ ٹی وی پر آنے والا ایک ڈرامہ بھی بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی، جب امی کی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کیا، اس نے سراٹھا کے دیکھا، امی کمرے کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

”امی! کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟“ اس نے سوال کیا، ساتھ ہی ٹی وی کی آواز بھی ہلکی کر دی۔

”میں پوچھ رہی ہوں، تم کالج کیوں نہیں گئی، دو دن ہو گئے ہیں۔“ انہوں نے کمرے کے اندر آتے ہوئے

کہا۔

”چلی جاؤں گی امی، آج کل موسم دیکھیے، میری کوئی دوست بھی نہیں آرہی، میں بور ہو جاتی ہوں، ہر جگہ اتنا پانی کھڑا ہے، ٹرانسپورٹ نہیں ملتی، واپسی میں تو چلو پوائنٹ آ جاتا ہے، لیکن صبح پیدل جانے میں مسئلہ ہے آج کل، پوائنٹ یہاں آتا نہیں ہے۔“ مومنہ نے وضاحت کی، اس کا تعلق جس طبقے سے تھا، وہ ایسا خوش حال نہیں تھا کہ ہزاروں روپے کی ایڈمیشن فیس محض موڈ نہیں رہا کہہ کر بھول جاتے، اب تو اسے ہر صورت میں بی اے اچھے نمبروں سے پاس کرنا تھا، اس کی امی نے بڑی مشکل سے نجانے کس طرح رقم بچا کے اس کا ایڈمیشن کروایا تھا، پھر یونیفارم اور کتابیں ان کے اخراجات الگ ہوئے تھے، مومنہ کو احساس تھا، مومنہ جانتی تھی ایک چھوٹی سی رقم پورے گھر کو چلانے کے لیے ابوامی کے ہاتھ پہ رکھ دیتے تھے جو کہ مہینے کے درمیان میں ہی پہنچ کر امی کو ہراساں کر دیتی کہ پورا مہینہ کیسے کرے گی، چیزوں کی کمی بیشی کرتے کرتے وہ نڈھال ہو جاتیں۔

”امی! آپ مجھے کچھ بیمار لگ رہی ہیں؟“ مومنہ نے بغور نہیں دیکھا، وہ کافی کمزور لگ رہی تھیں۔

”ہاں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”چلیں پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔“ مومنہ پریشان ہو گئی تھی۔

”نہیں میرے سر میں درد ہے، کچھ دیر آرام کروں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

مومنہ جانتی تھی، مہینے کے آخر میں یہ افورڈ نہیں کر سکتے، مہینے کا اختتام جب سودا سلف پورا کرنا مشکل ہوتا تھا، اس میں ڈاکٹر کی فیس اور میڈیسن بہت بڑی عیاشی تھی۔

”میں سونے جا رہی ہوں، تم کھانا کھا لینا اور عشاء کی نماز پڑھ کر سونا۔“ امی ہدایت دے کر چلی گئیں، مومنہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

اب مومنہ کو نہ ڈرامہ اچھا لگ رہا تھا اور نہ ہی تیل بوٹے بنانے میں دلچسپی رہی تھی، کچھ دیر وہ یونہی منہ لٹکائے بیٹھی کچھ دیر سوچتی رہی تھی، پھر اٹھی اور الماری سے اپنا یونیفارم نکالا اور بیدلی سے استری کرنے لگی۔

☆☆☆

”دعا کرو مومنہ! کل آنے والے مہمان خوش خبری کا سند بے دین، ویسے ہماری ان سے کافی پرانی جان پہچان ہے، شادی سے پہلے ہمارے محلے میں رہتے تھے، بہت اچھے اور شریف لوگ ہیں، نمرا کو پسند کر جائیں۔“ امی، نمرا کے لیے بہت فکر مند تھیں، بہت حساس ہو رہی تھیں۔

”انشاء اللہ ایسے ہی ہوگا، نمرا میں کیا کمی ہے۔“ مومنہ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا، ویسے بھی صاف رنگت کی مناسب نقوش والی نمرا آسانی سے نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہوں تم۔“ صالحہ خاتون بولیں۔

مومنہ صفائی ستھرائی میں جت گئی، خوب دل لگا کے کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد، گھر بہت صاف ستھرا ہو گیا تھا مگر مومنہ کا تھکن سے برا حال تھا۔

نمرا کچن میں مصروف تھی، تب ہی ان لوگوں نے فون کیا کہ وہ چھ بجے پہنچ جائیں گے۔

”نمرا! تم نہادھو کر کپڑے تبدیل کر لو۔“

”میں دس منٹ میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔“

نمرا کپڑے اٹھا کر واش روم میں آئی تھی، اس دوران علی بھی اتفاق سے آ گیا۔

”علی بیٹا! تم دودھ، سمو سے، رول بسکٹ لے آؤ۔“ صالحہ خاتون نے پانچ سوکانوٹ پرس سے نکالتے ہوئے

علی کو مخاطب کیا۔

”خالہ! کیا مہمان آرہے ہیں؟“ علی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں نمرا کے رشتے کے سلسلے میں۔“ صالحہ خاتون نے صاف گوئی سے کہا۔

”اچھا میں ابھی لاتا ہوں۔“ علی مطمئن سا ہو گیا، آنے والے مہمان تین خواتین پہ مشتمل تھے، ایک لڑکے کی

والدہ، ایک لڑکے کی خالہ اور ایک لڑکے کی بہن تھی، آنے والی خواتین بہت محبت اور گرم جوشی سے ملیں، صالحہ خاتون سے

پرانے محلے اور ان کے مکین کے متعلق تذکرہ چمڑ گیا تھا، جاوید احمد اور علی بھی موجود تھے۔

اتنے میں نمرا چائے لے کر اندر آئی، وہ کچھ نروس ہو رہی تھی۔

”یہ نمرا ہے میری بڑی بیٹی۔“ صالحہ خاتون نے تعارف کی رسم نبھائی، تینوں نے بہت محبت سے اس کا حال

احوال پوچھا تھا۔

لڑکے کی ماں کی آنکھوں میں نمرا کے لیے واضح پسندیدگی تھی، یا سر سعودی عرب کے شہر جدہ میں آنکل کمپنی میں

اچھی پوسٹ پر فائز تھا، اونچے قد کا سانولے رنگ کا پرکشش نوجوان تھا، محنتی تھا، پڑھا لکھا تھا، تصویر میں سب کو پسند آیا تھا۔

نمرا کو پسندیدگی کی سند مل گئی تھی، صالحہ خاتون کے پاؤں خوشی سے زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے، سب گھر والے

بہت خوش تھے، نمرا کی آنکھوں میں جلتی قدیلیں تھیں اور لبوں کی تراش میں سحر کر دینے والی مسکان سج گئی تھی۔

آج کا دن بے حد خوشگوار رہا تھا، سب بہت خوش تھے، علی نے بھی گھر واپس جانے کا ارادہ کیا۔

”خالہ خالو تو اپنے کمرے میں جا چکے ہیں، نمرا ڈرامہ دیکھ رہی ہے تم کچھ دیر مجھ سے باتیں کر لو میں پھر گھر جاتا

ہوں۔“ علی نے صحن میں بیٹھی مومنہ کو مخاطب کیا۔

”علی! مجھے صبح کالج جانا ہے، نونج گئے ہیں نمرا کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہے، اب میں ٹی وی آف کر کے سوؤں گی،

آج بہت تھک گئی، آج بہت کام کیا ہے۔“

مومنہ آج واقعی بہت تھک گئی تھی۔

کبھی ایسا ہو

تم اور ہم

ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر

اپنی باتیں کریں

لفظ ختم ہو جائیں

پھر ہم

ایک دوسرے کی آنکھوں میں

دیر تک ایک دوسرے کو تلاشتے رہیں

اور یونہی ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے  
پتھر ہو جائیں  
کبھی ایسا ہو  
کبھی ایسا ہو

علی نے حسرت سے کمرے میں جاتی مومنہ کو دیکھا تھا۔  
”مومنہ! میں کل لاہور جا رہا ہوں۔“ علی نے پیچھے سے مومنہ کو آواز دے کر روکا۔  
”خیریت۔“ مومنہ پلٹی۔

”امی نے ماموں سے ملنے جانا ہے۔“ علی نے بتایا۔  
”ارے واہ ہمیں تو کئی سال ہو گئے ماموں سے ملے۔“  
”تم بھی چلو میرے ساتھ۔“ علی خوشی سے بولا۔  
”نہیں“ مومنہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیوں؟“

”ویسے ہی۔“

”پھر بھی“

”میں کیا کروں گی جا کر یہاں کالج ہے، پڑھائی ہے، پھر کبھی امی کے ساتھ جاؤں گی۔“ مومنہ بولی۔  
”مومنہ!“ علی نے بہت محبت سے پکارا تھا، اب کے آواز اور لہجہ ہی نہیں آنکھوں کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔

”ہاں بولو؟“ مومنہ کہاں خاطر میں لانے والی تھی۔

”تم وہاں بھی ہر لمحہ میرے ساتھ رہو گی، میرا دھیان تمہاری طرف ہی رہے گا۔“ علی نے کہا۔

”تم ہر وقت فضول باتیں کرتے ہو کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔“ مومنہ تپ گئی تھی۔

”تم بھی ہر وقت سنجیدہ اور خشک رہتی ہو، کبھی تو کسی شوخ و شنگ لڑکی کی طرح نظر آؤ۔“ علی دوبارہ بولا۔

”میں ایسی ہی بھلی ہوں، اب تم جاؤ، وہاں سب کو میرا سلام کہنا، اللہ حافظ۔“ کہہ کر وہ کمرے کی طرف

بڑھ گئی۔

☆☆☆

میں نے تنہا بوئے

خوابوں کی اس دھرتی میں

پودے خوشبو کے

نمرا کے سسرال کی طرف سے پسندیدگی کا اشارہ پاتے ہی امی کو جیز کی فکر ستانے لگی، ان بیس سالوں میں کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے کافی کچھ جوڑ لیا تھا، سو آج بکس کھول کے از سرنو ان چیزوں کا جائزہ لیا جا رہا تھا، اچانک سے صائمہ خالہ بھی آ گئی۔

”السلام علیکم!“ انہوں نے بڑے تکلف سے سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

”وعلیکم السلام!“ صائمہ کیسی ہو، بڑے دنوں بعد چکر لگایا، امی خالہ کو دیکھ کر بہت خوش ہو گئی تھی، ان کا سارا میکہ لاہور میں تھا، جن سے سالوں میں ملاقات ہوا کرتی تھی، کراچی میں ایک بہن ہی تھی مگر وہ ہر وقت اپنی دولت کے نشے میں رہتی تھی۔

”یہ کیا اتوار بازار لگایا ہوا ہے؟“ خالہ نے سامان دیکھ کر طنز کیا تو امی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

”یہ نمرا کے لیے جمع کیا ہے۔“ انہوں نے سادگی سے بتایا۔

”اچھا کیا کچھ جمع کر لیا؟“ انہوں نے جمع پر زور دیتے ہوئے طنز سے پوچھا۔

”میں جوڑے کپڑوں کے، دو تو لے سونا، اور چھ سیٹ بستروں کے۔“ امی نے بتایا۔

”اوں ہوں یہ تو بہت کم ہے صالحہ، یہ سب تو تمہارے جہیز کی تعداد ہے، اب وقت بدل گیا ہے، بیٹی کو بیاہتے وقت زمانے کے دستور کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔“ صائمہ خالہ نے تنقیدی نظروں سے سامان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، امی خاموش رہ گئیں۔

”خالہ! خاندان والوں کی واہ واہ سمیٹنے یک لیے ابا کی انتہائی محنت اور فرض شناسی سے کمائی گئی روزی اس قسم کے اسراف کی ہرگز تحمل نہیں ہو سکتی۔“ مومنہ نے رساں سے جواب دیا۔

”اے بی بی! میں نے تو تمہارے بھلے کے لیے کہا اس سامان کے ساتھ گئی نمرا تو اس کے سسرال والوں کی زبان پر قفل کون ڈالے گا۔“ خالہ ناراض ہونے لگیں تو صالحہ نے ناراض بہن کے چہرے کی طرف دیکھا اور مومنہ کو منظر سے ہٹانے کے لیے کہا۔

”مومنہ! جاؤ اپنی خالہ کے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔“

”رہنے دو اس کی ضرورت نہیں ہے، میں صبح صبح گرم چائے اپنے معدے میں نہیں انڈیلتی، میں فریش جوس پی کر آئی ہوں۔“ خالہ نخوت سے بولیں۔

”چلو میں پھر ناشتہ بناتی ہوں، آج دو ٹون بہنیں مل کر ناشتہ کریں گی، میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے آلو بھرے پراٹھے بناؤں گی۔“ امی نے محبت سے کہا۔

”نہیں رہنے دو صالحہ! میں اب چلوں گی، میں آج لاہور جا رہی ہوں، سوچا تم سے مل لوں، اس لیے آگئی، ورنہ تمہیں پتہ ہے، میرے پاس وقت کہاں ہوتا ہے۔“ صائمہ بولیں، صالحہ نے بغور صائمہ کا چہرہ دیکھا، اس چہرے پر صاف اجنبیت تھی، صالحہ کا دل ڈوب سا گیا تھا، کیا دولت رشتوں کی پہچان بھی بھلا دیتی ہے وہ سوچ کر رہ گئیں، صائمہ کے جاتے ہی انہوں نے مومنہ کی کلاس لی تھی۔

”مومنہ! تم بہت زبان دراز ہو گئی ہو، بڑوں کی باتوں میں بولنے کا تمہارا کیا کام ہے۔“

”امی! میں نے غلط بات نہیں کی ہے، وہ آپ کی بہن ہیں، کیا وہ آپ کے حالات سے واقف نہیں ہیں؟ ایسے

میں انہیں ایسی بات کرنا زیب نہیں دیتا تھا۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”کچھ بھی ہو، تمہیں بیچ میں نہیں بولنا چاہیے تھا، یہ بدتمیزی ہے، اسے برا لگا اور وہ بنا کچھ کھائے پیے چلی گئی، کتنے

مہینوں بعد آئی تھی۔“ امی کو افسوس ہو رہا تھا۔

”امی! میں نے بد تمیزی نہیں کی ہے لیکن اگر آپ کو برا لگا ہے تو سوری، میں آئندہ ایسے نہیں کہوں گی۔“ مومنہ نے آہستہ سے کہا، صالحہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔

☆☆☆

صائمہ اور صالحہ دو بہنیں اور دو بھائی تھے، صالحہ بچپن سے ہی بہت محبت کرنے والا مزاج رکھتی تھی جبکہ صائمہ خود سر، ضدی اور غصیلی تھی، وہ اپنی چیزیں اپنے بہن بھائیوں کو کبھی نہیں دیتی تھی، صالحہ ایثار پسند تھی، قربانی دینا جانتی تھی، ان کے لیے رشتے اہم تھے، صائمہ صرف لینا جانتی تھی، وہ مادہ پرست تھی وہ اپنے خون کے رشتوں سے محض سرسری تعلق رکھتی تھی، شادی کھاتے پیتے گھرانے میں ہوتی تھی، پیسہ آتے ہی ان کے تیور مزید بدل گئے تھے، پیسہ ان کے نزدیک سب کچھ تھا، نمود و نمائش کی قائل تھی۔ صالحہ کا برعکس تھی۔

پرانی یادوں سے سر جھٹک کر وہ کچن میں آئی تو نمرادال چاول بنانے میں مصروف تھی، انہیں بہت پیار آیا اپنی فرمانبردار، سلیقہ شعار بیٹی پہ جس نے انہیں درحقیقت بہت آرام دیا تھا، پورا گھر سنبھال لیا تھا، اس کے علاوہ بھی وہ بہت کم گوتھی، اپنے والدین کی اطاعت گزار، خدمت گزار تھی۔

”یہ چلی جائے گی اب کچھ ہی عرصے کی مہمان ہے، اللہ اس کا نصیب اچھا کرنا، اسے بہت سکھ دینا۔“ انہوں نے نمراد کو محبت سے دیکھ کے دل سے دعا کی تھی۔

”تمہارے ابو آجائیں پھر دسترخوان لگا دینا بیٹا۔“ وہ نمراد کو دیکھ کر پولیس۔

”جی امی!“ نمرانے اثبات میں سر ہلایا، رات کا کھانا وہ ہمیشہ مل کے ہی کھاتے تھے۔

جاوید احمد اور صالحہ کو اپنی بیٹیاں بہت پیاری تھیں، اگر بیٹے کی کوئی کسک تھی تو کبھی ظاہر نہیں کی تھی، نہ کبھی اپنی بیٹیوں کو احساس ہونے دیتا تھا۔

کچن سے نکل کر نمراد اور مومنہ کے مشترکہ کمرے میں داخل ہوئیں تو مومنہ اپنے چاروں طرف کتابیں پھیلائے زور و شور سے نوٹس پڑھنے میں مگن تھی۔

انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بے حد خوبصورت اور معصوم بیٹی کو دیکھا اور آ کر اس کے پاس بستر پر بیٹھ گئیں۔

”ارے امی آپ؟ کب آئیں“ ان کے بیٹھنے پر اس نے چونکتے ہوئے سر اٹھایا۔

”ابھی آئی ہوں، یہ کیا تم نے چاروں طرف کتابیں پھیلا رکھی ہیں۔“

”نوٹس بنا رہی تھی امی! آپ کو تو پتہ ہے ایک کتاب سے پڑھ کر مجھے تسلی نہیں ہوتی۔“

مومنہ نے مسکراتے ہوئے اپنی مجبوری بیان کی اور پھر بولی۔

”آپ کو کوئی کام تھا؟“

”ہاں تمہارے بابا اپنی لاڈلی بیٹیوں کا دسترخوان پہ انتظار کر رہے ہیں، تم دونوں کے بغیر ان کے حلق سے نوالہ

نہیں اترتا۔“

”بابا ہم سے بہت محبت کرتے ہیں نامی۔“ اس نے چین کا کیپ بند کرتے ہوئے سیاہ چمکتی ہوئی آنکھیں ماں

سی مسکرا ہٹ تھی کہ انہوں نے اپنی نظر لگ جانے کے خیال سے ہی اس پر سے نظریں ہٹالیں، سیاہ شلوار قمیض میں بالوں کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں قید کیے چہرے پر بے پناہ معصومیت لیے وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

”جب مجھے یہ اتنی خوبصورت لگتی ہے جبکہ میں تو اسے ہر وقت دیکھتی ہوں تو دوسروں کو کتنی پیاری لگتی ہوگی؟“ انہوں نے دل میں سوچا اور کئی دعائیں اس پر پڑھ کر پھونکنے لگیں۔

”ارے بھی کہاں رہ گئیں صالو، ہم بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔“ یہ بابا کی آواز تھی، وہ چونک کر اٹھیں۔  
 ”میں بھی ناں، تمہیں بلانے آئی تھی، تم نے بھی مجھے باتوں میں لگا لیا، چلو اٹھو جلدی نیچے آؤ، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہوگا۔“ وہ جلدی سے بولتے ہوئے دروازے سے نکل گئیں تو مومنہ نے بھی جلدی سے کتابیں بند کیں اور ہاتھ دھو کر نیچے آ گئی۔

”السلام علیکم بابا!“ مومنہ بولی۔

”وعلیکم السلام! بڑی دیر کر دی میرے بیٹے نے آنے میں۔“ بابا اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے تھے۔  
 ”میں نوٹس بنارہی تھی بابا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا، یونہی سب گھر والے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے کھانا کھا رہے تھے، امی ابو نمران کی شادی اور متوقع سسرالوں کو ڈسکس کرنے لگ گئے تھے، مومنہ نے برتن اٹھائے اور پھر سب برتن دھو کر کچن صاف کیا تھا۔

”لڑکا جدہ سے آجائے ہم فائل تب ہی کر لیں گے۔“ جاوید احمد بولے۔  
 ”لیکن سلمیٰ بہن کہہ رہی ہے جب تک ہم رسم کر جاتے ہیں۔“ صالو بولیں۔  
 ”میرا مشورہ تو یہ تھا کہ جب تک لڑکے سے نفل لیں مکمل چھان بین نہ ہو جائے انہیں رسم مت کرنے دو، تمہارا کیا خیال ہے؟“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔“ صالو فکر مندی سے بولیں۔  
 ”تم پریشان مت ہو، میں مطمئن ہوں ان لوگوں سے اور یہ تمہارے پرانے جانے والے ہیں، بظاہر کوئی خامی نظر نہیں آتی، بس میں لڑکے سے مل لوں، جاوید احمد نے تسلی دیتے ہوئے نرمی سے کہا جانتے تھے ان کی بیوی صالو بیٹیوں کے لیے بہت حساس ہے۔“

برماں ہی ہوتی ہے، بیٹیاں پر یاد دہن ہوتی ہیں لیکن آسان نہیں ہوتا محبت اور ناز سے پال کر اپنے وجود کے حصے کو غیروں کو اپنے ہاتھ سے سونپنا جب سے نمران کا رشتہ آیا تھا، سچ تو یہ تھا کہ رشتے کی خوشی اپنی جگہ اندیشے اور دوسو سے اپنی جگہ تھے۔

”صالو! تم بھی عجیب ہو، جب تک نمران کا رشتہ کوئی مناسب نہیں آیا تھا، تب بھی پریشان تھی اور اب تمہاری پسند کا رشتہ آ گیا ہے، اب بھی پریشان ہو،“ جاوید احمد نے مذاق میں چھیڑا۔

”میں سوچتی ہوں، یہ ہمارے آنگن کی چیزیاں ہیں، ان کے دم سے رونق ہے گھر میں، ان کے جانے کے بعد ہم تو تنہا ہو جائیں گے۔“ صالو کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”پاگل! ہم نے کیا ہمیشہ اس دنیا میں ہی رہنا ہے، دعا یہ کرو کہ ہم اپنی زندگی میں ان کا فرض ادا کر دیں۔“ جاوید

”انشاء اللہ“ صالح بے ساختہ بولیں تھیں۔

☆☆☆

”میں نہیں جانتا کب سے مگر یہ ضرور کہوں گا، ان دنوں جب اپنا اچھا برا سمجھنے کا تجربہ نہیں ہوتا، تب سے مجھے مومنہ اچھی لگتی ہے، جب وہ خالہ کے ساتھ ہمارے گھر آتی تھی، میں سارے کام چھوڑ کر اس کے آس پاس منڈلاتا رہتا، مجھے اس وقت یہ نہیں پتہ تھا اسے محبت کہتے ہیں، اس وقت ایسی سوچ کہاں سے آتی ہے، ان دنوں تو دل اگر چاند کی تمنا کرے تو دل اسے حاصل کرنے کے لیے کھل جاتا ہے، بچپن کی خواہش ہے وہ میری، اسے حاصل کرنا مشکل نہیں ہے۔“

”اور میں علی عثمان کیا خامی ہے مجھ میں؟ خالہ خالو میرے رشتے پہ انکار نہیں کر سکیں گے، ایسے رشتے بھلا آسانی سے ہر ایک کو کہاں مل سکتے ہیں۔“ شیو بناتے ہوئے شیشے میں علی نے اپنا خوب رو چہرہ اور اپنے اسٹیش کو سوچتے ہوئے خود سے کہا، اس کی آنکھوں میں دولت کا خمار اور غرور کی جھلک تھی۔

مومنہ جاوید میں کوئی کمی نہیں تھی صرف وہ ایک کم حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، یا شاید اس کا غریب ہونا ہی خامی تھا، جو علی کے اندر غرور جھلک رہا تھا، علی اس بات سے بے خبر تھا کہ ”مومنہ کے لیے عزت نفس کی سلامتی مال و جائیداد سے بڑھ کر اہم تھی۔“ اس نے عام لڑکیوں کی طرح کبھی دولت مند شوہر کے خواب نہیں دیکھے تھے۔

اس کے خوابوں کا شہزادہ باکر دار، بااخلاق، سچا کھرا انسان تھا، جو اس سے خالص محبت کرے اور اس کی عزت کرے۔

جس کو مومنہ کے بے پناہ حسن سے سر و کار نہ ہو نہ مومنہ کو اس کی دولت کی چاہ ہو، مومنہ عام لڑکیوں کی طرح سطحی سوچ نہیں رکھتی تھی ورنہ جس طرح صبح و شام علی عثمان دیوانہ وار اس کے گھر کے پھیرے لگاتے ہوئے اظہار محبت کرتا تھا کوئی اور لڑکی ہوتی اس کے پاؤں پہ بچھ چکی ہوتی۔

علی عثمان، صائمہ عثمان کا بیٹا تھا، غرور تکبر اس کی ذات کا حصہ تھا، خود نمائی اور خود ستائشی کی عادتیں بھی اپنی والدہ سے لی تھیں۔

ہاں البتہ مومنہ کے سامنے کبھی شو نہیں کیا تھا، مومنہ اس کی محبت تھی، مومنہ کو وہ اپنی محبت سے حاصل کرنا چاہتا تھا، جیتنا چاہتا تھا۔

مومنہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی، یہ بے چینی اور پریشانی تو تھی مگر وہ کسی اور سے بھی محبت نہیں کرتی تھی یہ اطمینان بھی تھا۔

ہر شام دو رافق پڑو تے سورج کے ساتھ اپنی محبت کا ایک باب روزانہ رقم کرتا تھا، ایسے میں جو سرشاری کی کیفیت رگ و پے میں جاگزین ہوتی ہے تو شام کی اداسی، اداسی کے اجلے تن میں محبت بن کر پھیلتی ہے تو اندر تک سکون پھیلنے لگتا ہے اور بہت سے ان کہے لفظ سطر در سطر محبت لکھتے ہیں۔

محبت ہے

ٹھٹھرتی آبشاروں میں بھی ٹھنڈی ہوا سی

شبوں کے گنبدوں میں گونجتی بے چینیوں کے درمیان رہنا

ہر ایک ہوشیار کو زندہ رہنا، ہر ایک ہوشیار کو زندہ رہنا



کبھی مل کے کسی سے  
 بے خبر آدھے سمندر تک سفر کرنا  
 کبھی تنہا کسی ساحل پہ آ کے دیر تک لہروں کو دیکھنا  
 اور خلا میں دیکھتے رہنا محبت ہے  
 کسی کھوئے ہوئے کو غیر ارادی طور پر  
 ہر آنکھ پرے میں اکثر ڈھونڈتے رہنا  
 ہمیشہ بے خیالی میں  
 کتابوں، چاند، تاروں، بدلوں پر  
 اس کے بارے میں جھلملاتی بات لکھ دینا  
 یا پھر لکھ کے مٹا دینا  
 کبھی رنگوں کی لہروں پر  
 اسے بے صورت ہونٹوں سے صدا دینا  
 خلاؤں سے تہی دامن پلٹتے دیکھنا  
 اور پھر صدا دینا  
 محبت ہے  
 میں کیا لکھوں  
 کبھی ایسا بھی ہوتا ہے  
 بہت ہی روٹھ کر ناراض ہو کر  
 ناپسندیدہ خیالوں، نفرتوں کی اوٹ سے  
 یا مختلف جیلوں بہانوں سے  
 کسی کو جھانکتے رہنا  
 کسی کو سوچتے رہنا  
 وہ مانے یا نہ مانے  
 بس اسے لکھنا، اسے کہنا  
 محبت ہے  
 مجھے تم سے محبت ہے۔

☆☆☆

”علی! بھائی سلیم کی شکایتی لگتی ہے تجھے؟“ صائمہ بیگم نے کہا تو علی جو چائے پی رہا تھا، اچانک اس سوال پہ

چونک کر انہی امی کو دیکھنے لگا۔

”مجھے تو بڑی پیاری لگتی ہے۔“ صائمہ خوشدلی سے بولی تھیں۔

”اچھا.....“

”اب تو بتاتے تھے کیسی لگتی ہے؟“

”ای! اس سوال کا مطلب؟“ علی بے زاری سے بولا تھا، جب سے لاہور سے آیا تھا، اسے مومنہ کے گھر جانے کی جلدی تھی، سو تھکن کے باوجود نہادھو کر فریش ہو کر چائے پی کر اب وہ مومنہ کے گھر جانے کا ہی ارادہ کر رہا تھا۔

”بیٹا! میں چاہتی ہوں تیری شا سے شادی ہو جائے، شا بھائی سلیم کی اکلوتی بیٹی ہے اور بھائی سلیم بڑا دولت مند ہی نہیں بڑا فراخ دل بھی ہے، اتنا بڑا گھر اور وسیع کاروبار ہے۔“ صائمہ جوش سے بول رہی تھیں۔

”ای! مجھے شا بالکل پسند نہیں ہے۔“ علی نے اطمینان سے جواب دیا۔

”پتہ ہے بھائی سلیم کہہ رہا تھا کہ میں اپنے داماد کو منہ دکھائی میں گاڑی دوں گا۔“ صائمہ علی کے جواب کو نظر انداز کر کے ہنوز جوش سے بولے جارہی تھیں، وہ بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔

”ای! میں شا سے شادی نہیں کر سکتا۔“ علی نے دوبارہ اپنی بات پر زور دیا۔

”کیوں نہیں کر سکتا؟“ وہ ناگواری سے پوچھنے لگیں۔

”اس لیے کہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔“ علی نے بے حد سکون سے کہا۔

”تجھے پڑھایا لکھایا، اپنے منہ میں نوالہ ڈالنے سے پہلے تیرے منہ میں ڈالا، اچھی سے اچھی چیز تیرے لیے رکھی، اب یہ صلدے گا ہمیں؟“ وہ شا کی ہو کر بولیں۔

”تو کیا نرالا کر دیا، سارے ماں باپ ہی یہ کرتے ہیں۔“ علی نے بے نیازی سے کہا۔

”ٹھیک کہا سارے ہی کرتے ہیں مگر ساری اولادیں تجھ جیسی نافرمان نہیں ہوتیں۔“ صائمہ بوجھل دل کے ساتھ کھڑی ہو گئیں، صائمہ کو دلی صدمہ ہوا تھا۔

علی ساری اولادوں میں سب سے عزیز تھا، اس کے لیے بیٹیوں سے ناانصافی کر جاتی تھی، آج وہ ہی طعنے دے رہا تھا۔

”تو کیا نرالا کر دیا، سارے ماں باپ ہی کرتے ہیں۔“ صائمہ اپنے بیڑ پہ بے دم ہو کر بیٹھ گئیں۔

”یا اللہ! مجھے کتنا مان تھا اپنے بیٹے پہ۔“ صائمہ نے سر ہٹا لیا تھا۔

”لیکن..... اسے کس سے محبت ہو گئی؟ یقیناً میرے اکلوتے بیٹے کو کسی چڑیل نے اپنی اداؤں سے اپنے جال

میں پھانسا ہے، میرا بیٹا تو بڑا سیدھا ہے، وہ مجھ سے بڑا پیار کرتا ہے، میں بھی اس لڑکی کا یہ خواب پورا نہیں ہونے دوں گی۔“ صائمہ نے عہد کیا وہ انتقامی مزاج رکھتی تھی، آج تک شوہر، گھر اور اولاد پہ حکمرانی کی تھی، اب کسی کی شراکت انہیں

کووار نہیں تھی۔

”اس چڑیل نے میرے بیٹے کو نافرمان کر دیا، میں اسے مزا چکھاؤں گی۔“ صائمہ کی آنکھوں میں ان دیکھی،

لڑکی کے لیے نفرت کی چنگاریاں نمایاں تھیں۔

جو ہو گئی ہے۔“ امی نے ہدایت کی تھی۔

”نمرا اپنا سوٹ سلائی کر رہی ہے، صفائی اس نے کر لی ہے، سالن اور کسٹرڈ میں بناؤں گی بس تم بریانی بناؤ۔“

شدید گرمی میں امی کی ہدایت اسے بھلی نہ لگی۔

”یہ بریانی نچانے کس سر پھرے کی ایجاد ہے، اتنے تو مصالحے ڈالتے ہیں، دل چاہ رہا ہے ایسی بریانی بناؤں، تمہاری ساس مدتوں یاد رکھے۔“ مومنہ نے مصنوعی غصے سے نمرا کو سنانے کے لیے کہا تھا، ساتھ میں چہرے پہ آئے پسینے کو صاف کیا۔

”ضرور بنانا ایسی بریانی مگر میری بہن اپنی ساس کے لیے۔“ نمرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اس طور کی مانند گرمی میں اس پیاز کی طرح میں جل بھن رہی ہوں اور تم اپنی ساس کی حمایت کر رہی ہو۔“

مومنہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”نمرا تم نہادو کر حلیہ درست کر لو، اپنے بال دیکھے ہیں صحرا کی جھاڑیاں۔“ مومنہ نے چھیڑا۔

”میں نہانے جا رہی ہوں۔“ نمرا سنجیدہ ہوئی۔

یاسر بڑی عہد کر کے پاکستان آنے والا تھا، لیکن اب ارادہ بدل گیا تھا کہ ایک ہی مرتبہ اپنی شادی میں آئیں گے، اس کے سسرال والے آج عیدی لے کر آ رہے تھے۔

نمرا کے سسرال والوں کے آتے ہی گھر میں رونق ہو گئی چاروں طرف ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، وہ لوگ عیدی لے کر آئے تھے، نمرا اپنے کمرے میں تھی۔

”میں صبح سے بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو رہی ہوں اور محترمہ یہاں چھپی بیٹھی ہیں۔“ مصروفیات اور غلت میں بھی خوشی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

”لو سنبھالو بھئی، تمہاری ساس تمہاری عیدی لائی ہیں، جبکہ ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی، اسے کہتے ہیں محبت۔“ مومنہ نے تیز تیز بولتے ہوئے ڈبے بیڈ پر رکھے۔

”تمہاری ساس نے سب چیزیں پہلے سے اس لیے بجوادیں ہیں تاکہ وقت پر تیار ہو کر انہیں دیدار کروا سکو۔“ مومنہ ہنستے ہوئے ڈبہ کھول کر دیکھنے لگی۔

سفید شیفون سوٹ پر گولڈن اور سلور امتزاج میں خوب صورت کام تھا۔

”واہ بھئی پسند تو بہت اچھی ہے تمہاری ساس کی، جب تمہاری ساس نے کہا کہ سب شاپنگ اپنی پسند سے کی ہے، سچ میں تو ڈر گئی تھی کہ نچانے کیا اٹھالائے مگر یہ تو سب کچھ کمال کا ہے بھئی۔“ مومنہ نے سفید کھسے دیکھتے ہوئے کہا کھسے پہ بھی گولڈن اور سلور کام تھا، میچنگ زبردست تھی، ساتھ میں چوڑیاں اور کارڈ سیمپلس بھی تھا۔

”اور تم کیوں خاموش ہو، کیا خوشی سے سکتے ہو گیا۔“ مومنہ نے اسے خاموش دیکھ کر چھیڑا۔

”جب سے کمرے میں آئی ہو مسلسل بولے جا رہی ہو، خاموش ہو تو میں کچھ بولوں۔“ نمرا بولی۔

”میں سب چیزیں ڈبوں میں ڈال کے الماری میں رکھ رہی ہوں، تم بھی اٹھو، امی بلارہی ہیں۔“ مومنہ نے چیزیں میٹیں، سب نے مل کر کھانا کھایا تھا، کھانے کے بعد نمرا نے چائے بنائی تھی، اس طرح رات کے دس بج گئے تھے، وہ اب جانے کی تیاری کر رہے تھے، دروازے پہ دستک ہوئی تو مومنہ اٹھ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

”السلام علیکم!“ علی نے اسے بہت دن بعد دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا، چاندنی رات کا تمام تر حسن مومنہ کے چہرے پر بکھرا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ مومنہ نے دھیمے سے کہا۔

”کیسی ہو؟“ اشتیاق سے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں، تم بتاؤ؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”پہلے ٹھیک نہیں تھا، اب ٹھیک ہوں۔“ علی بولا، مومنہ نے جواب نہیں دیا، بس گھورنے لگی۔

”جینے لگا ہوں پہلے سے زیادہ تم پہ مرنے لگا ہوں۔“ علی گنگنانے لگا اور شوخ ہوا۔

”علی! گھر میں نمر کے سسرال والے آئے ہیں۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”اوکے۔“ علی سنجیدہ ہوا، مگر اس کی آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

”تم اندر جاؤ میں چائے لاتی ہوں۔“ مومنہ نے اسے ٹالا۔

مہمان جانے لگے تو سب انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئے تھے۔

علی سے کچھ دیر بات چیت کے بعد امی نماز پڑھنے لگیں اور ابوا اپنے کمرے میں چلے گئے، نمر اب تین دھونے لگی، مومنہ صحن میں ہی بیٹھی تھی۔

”مومنہ! علی نے بہت دل سے پکارا تھا۔“

”ہوں“ وہ گمن سے انداز میں بولی۔

”امی کہہ رہی تھیں، ثناء سے شادی کرلو۔“ علی سنجیدہ ہوا تھا اب۔

”تو کرلو ثناء اچھا لڑکی ہے۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”ہوگی لیکن مجھے پسند نہیں ہے۔“ علی بولا۔

”کیوں؟“ مومنہ کو حیرت ہوئی۔

”تم نہیں جانتی کیا؟“ علی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”نہیں۔“ مومنہ نے انجان بننے ہوئے اطمینان سے کہا۔

”تم اگر اب نہیں جانتی تو پھر کبھی بھی نہیں جانو گی۔“ علی نے خفگی سے کہا تھا۔

”مومنہ! تم جاننے کی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتیں۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے، تمہیں جاننے اور سمجھنے کی؟“ مومنہ تنک انھی۔

”واقعی تمہیں کیا ضرورت ہے، مجھے جاننے اور سمجھنے کی۔“ علی دکھ سے بولا تھا۔

”علی بھائی! کب آئے آپ؟“ نمر اس کی آمد سے بے خبر کچن میں مصروف تھی۔

”ابھی کچھ دیر پہلے۔“ علی مسکرایا، افسردہ پھیکی سے بے جان مسکراہٹ۔

”میرا دل کہہ رہا تھا تم آج ضرور آؤ گے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”تمہارے دل کی خوشی کا احساس یہاں لے آتا ہے، ورنہ یہاں کس کو میری پروا ہے۔“ وہ بولا۔

”میں کھیر لے کر آتی ہوں، امی نے بہت مزے کی بنائی ہے۔“

”مچھڑکھی سہی۔“ وہ جانے کے لیے مڑنے لگا تھا۔

”ایسے تو نہیں جانے دوں گی، کھیر تو آپ کو لازمی کھلانی ہے، پسند ہے نا آپ کو؟“ نمرابولی۔  
”مجھے کچھ کام ہے۔“ علی نے بہانہ بنایا۔

”چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔“ وہ ڈپٹ کر بولی، وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

”محبت تم نے کب کی ہے“ مومنہ کو ایک گونج سنائی دے رہی تھی، سر جھٹک کر مومنہ نارمل ہوئی، دونوں کے درمیان ایک محسوس کرنے والی خاموشی تھی، نمر اکھیر لینے کچن میں گئی تھی، علی چپ تھا، مومنہ کو آج وہ پہلی مرتبہ سنجیدہ کچھ پریشان کچھ اداس نظر آ رہا تھا۔

”یہ لیجیے جناب مزے دار کھیر۔“ نمر اشوفی سے بولی۔

”شکریہ۔“ علی نے بے دلی سے پیالی تھامی تھی۔

”کھائیے اور بتائیے اس کا ذائقہ کیسا لگا ہے؟“ نمر اس کے موڈ سے بے خبر تھی آج بہت خوش تھی، خوشی اس کے چہرے اور اس کے ہر انداز سے واضح تھی۔

”کھیر واقعی بہت مزے کی ہے۔“ علی نے مسکرا کے کہا تھا۔

”بہت خوش نظر آ رہی ہو، بہت مبارک ہو۔“ علی بولا۔

”خیر مبارک۔“ نمر مسکرائی تھی۔

”موصوف کی کوئی تصویر بغیرہ تو دیکھی ہوگی؟“ علی نے پوچھا، نمرانے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیسے لگے اپنے ہونے والے مجازی خدا؟“ علی نے چھیڑا۔

”جیسے وہ ہیں،“ نمرابولی۔

”کیسے ہیں وہ یہی تو ہم جانتا چاہتے ہیں؟“ علی شرارت سے مسکرایا۔

”جیسے نظر آرہے ہیں تصویر میں۔“ نمرانے بھی شرارت سے جواب دیا تھا، علی کا سابقہ موڈ خوشگوار موڈ کی صورت اختیار کر گیا تھا، دونوں باتوں میں لگن ہو گئے تھے۔

☆☆☆

مومنہ کالج سے آئی تو امی اور نمر جیسے اس ہی کی منتظر تھیں۔ دونوں کہیں جانے کے لیے تیار تھیں، ان کے چہرے پہ پریشانی کے آثار تھے، نمر اضطراب محن میں چکر کاٹ رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ سلام کے بعد اس نے پوچھا۔

”آپ لوگ کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں؟“ مومنہ نے دریافت کیا۔

”علی! کا ایک سیڈنٹ ہو گیا تھا رات میں صبح ہمیں پتہ چلا ہے۔“ نمرانے پریشانی سے بتایا۔

”شکر ہے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں، ابھی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر آیا ہے گھر، اس سے ملنے جانا ہے۔“ امی

بولیں۔

”تم یونیفارم پہنچ کر کے فریش ہو کر جلدی آؤ۔“ نمرانے ہدایت کی۔

”اچھا! وہ تھکے قدموں سے داش روم کی طرف چل دی، صبح ناشتہ کیے بنا گئی تھی بھوک سے برا حال تھا، کینٹین

بھی نہیں جانے کی عادت تھی۔

امی اور نمر کی تیاری دیکھ کر اسے اندازہ تھا، کھانا اسے آ کر ہی ملے گا۔

کچھ دیر میں وہ چیخ کر فریض ہو کر آئی، رکشہ گھر کے پاس سے ہی لگ گیا تھا، راستے میں مارکیٹ سے امی نے

پھل وغیرہ لیے۔

گیٹ خالہ نے کھولا تھا، صائمہ خالہ رسی ساٹنے لگی تھیں مگر امی نے گرجوٹی سے انہیں خود میں بھیج لیا تھا، ٹا کو بھی

محبت سے اپنی ہانہوں میں سمیٹ کر اس کی پیشانی چومی۔

”ماشاء اللہ۔“

”علی کیسا ہے؟“ امی نے بے تابی سے پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہے۔“ صائمہ مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

”شکر ہے، شکر انے کے نوافل ضرور پڑھنا۔“ امی نے کہا۔

”اور صالحی! بھائی صاحب کے کیا حال ہیں؟“ صالحی نے مختصر کہا۔

”مومنہ! ٹا کو آواز دو۔“ انہوں نے مومنہ سے کہا۔

”اس سے کہو چائے بنا دے۔“ صائمہ خالہ بولیں، مومنہ اب کیا اپنے منہ سے کہتی بیٹھی رہی۔

صائمہ اور نمر امی پھر باتوں میں مگن ہو گئی تھیں، کچھ دیر بعد صائمہ کی نظر ذرا فاصلے پہ بیٹھی مومنہ پہ پڑی۔

”مومنہ! تم ابھی تک یہیں ہو، ٹا کو بلا لاؤ۔“ مومنہ کو مجبوراً اٹھ کے جانا پڑا، سامنے سے علی آ رہا تھا، وہ لنگڑا کر

بہت دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ اس کے چہرے سے کمزوری اور بے زاری مترشح تھی، جس میں اب شدید ترین بے یقینی

کارنگ غالب آ گیا۔

”السلام علیکم کیسے ہو؟ میں تمہاری ہی طبیعت معلوم کرنے آئی ہوں۔ کیا بہت زیادہ چوٹ لگ گئی؟“ مومنہ نے

مشکرا کر انداز میں پوچھا۔

علی کی حیرت ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، کوئی بھی جملہ کہنے سے گویا قاصر تھا، قوت گویائی سلب ہو گئی تھی شاید۔

”تم.....“ بشکل اس کے منہ سے نکلا۔

”اب اس میں اتنے حیران ہونے کی کیا بات ہے؟“ مومنہ نے نرمی سے کہا۔

”آؤ بیٹھو۔“ علی کو مہمان داری کا خیال آ گیا۔

”نہیں تم بھی ڈرائنگ روم میں آ جاؤ، امی اور نمر ابھی وہیں ہیں۔“ مومنہ نے معذرت کرتے ہوئے اس کی توجہ

امی اور نمر کی جانب مبذول کرائی۔

”ہاں وہیں چلتے ہیں۔“ علی نے خلاف توقع بڑی فرمانبرداری سے کہا۔

”آج میں بہت خوش ہوں۔“ علی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

”ایکسیڈنٹ ہونے پر۔“ مومنہ نے چھیڑا۔

”نہیں، ایک خوبصورت پری کے گھر آ جانے پر۔“ علی نے بے باکی سے کہا۔

”علی! تم کبھی سنجیدہ نہیں ہوتے“ مومنہ نے خشکی سے کہا۔

”تمہیں دیکھ کر سب بھول جاتا ہوں۔“ علی نے وضاحت کی، اتنے میں دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے، صائمہ خالہ چوکیں۔

”مومنہ! میں نے تمہیں ثنا کو بلانے بھیجا تھا، تم علی کو بلا کے لے آئی۔“

”خالہ! میں ثنا کو بلانے جا رہی تھی، علی باہر ہی آ رہا تھا اور آپ ثنا کو ڈسٹرب مت کریں، ہم چائے پینے نہیں آئیں۔“ مومنہ کو ان کی بات بہت بری لگی تو فوراً جواب دینا ضروری سمجھا۔

امی نے اسے گھورا، وہ نمرائے کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”امی! خالہ اتنے عرصے بعد آئی ہیں، ابھی تک کوئی خاطر مدارت نہیں کی آپ نے، آپ خود دیکھیں پلیز ثنا تو ہمیشہ سے کام چور ہے۔“ علی نے اپنی امی کو احساس دلایا۔

”ثنا کے ایگزام ہونے والے ہیں، وہ اسٹڈی میں بزی ہے۔“ صائمہ کو ان سب کے سامنے علی کا ثنا کو کام چور کہنا ناگوار گزرا تھا۔

امی علی کی خیریت دریافت کرنے لگی تھیں، اتنی دیر سے ماحول میں جو تکلف اور رسمی گفتگو کا سلسلہ چل رہا تھا، اب ختم ہو گیا تھا، علی نے آتے ہی محفل میں رونق کا سماں کر دیا تھا، ثنا بھی ان کی باتوں میں شامل ہو گئی تھی، کچھ دیر میں خالو سے مل کر وہ واپس آ گئے تھے۔

علی بھند تھا کہ وہ لوگ رات کا کھانا کھا کر جائیں، مگر انہوں نے معذرت کر لی۔

مومنہ نے دل میں سوچا چائے چار گھنٹوں میں بنی تھی، کھانا دوسرے دن ہی ملتا۔

علی کو آج بہت خوشی ہو رہی تھی، کل تک وہ مومنہ کی بے رخی سے اداس تھا، مگر آج اس کی آنکھوں میں اپنے لیے فکر اس کے لہجے میں اپنے لیے نرمی دیکھی تھی۔

اک بار وہ ملا تھا مجھے بے رخی کے ساتھ

اس دن سے دل کا شہر برابر اداس ہے

دیکھی ہے اس کی آنکھ میں پہلی دفعہ نمی

یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اداس ہے

”امی! مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی، جب کالج سے آئی تھی۔“ مومنہ نے گھرا آتے ہی کہا۔

”تم نے وہاں چائے کے ساتھ کچھ بھی نہیں لیا؟“ نمرابولی۔

”دل نہیں چاہا۔“ مومنہ کو خالہ کی نگاہیں یاد آ گئیں۔

”میں سالن گرم کر کے روٹی بناتی ہوں۔“ امی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”امی! آپ تھک گئی ہوں گی، میں روٹی بناتی ہوں۔“ نمرائے کی طرف لپکی، مومنہ چادر ایک طرف اچھال کر

لیٹ گئی تھی، دس منٹ میں نمرائے کھانا لگا دیا سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

”مومنہ! آج تمہارے ابو لیٹ ہو گئے؟“ امی نے گھڑی دیکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا، شام کے سات بج

رہے تھے۔

”امی! آج ہفتہ ہے، فیکٹری میں حساب چیک ہوتا ہے۔“ مومنہ نے یاد کروایا تھا۔

”ہاں، بھئی یاد آ گیا۔“ امی بولیں۔

”شکر ہے علی کی طرف سے تسلی ہو گئی، ورنہ میرا دل تو سنتے ہی ڈوب گیا تھا، ایک علی ہی جو وقت بے وقت آ جاتا

ہے۔“ ان کے لہجے میں بھانجے کے لیے محبت تھی۔

”جی امی! میرا کوئی بھائی تو ہے نہیں میں نے ہمیشہ علی کو ہی بھائی سمجھا ہے۔“ نمرانے سادگی سے کہا۔

اتنے میں جاوید صاحب گھر میں داخل ہوئے۔

”السلام علیکم!“ سلام کیا۔

”وعلیکم السلام!“ مومنہ اور نمر ایک وقت بولیں۔

”ہاں بیٹا! آج ٹریفک بہت جام تھا، چالیس منٹ لگ گئے تھے ٹریفک میں پھنسے ہوئے“

”تب تو آپ بہت تھک گئے ہوں گے“ نمرانے تاسف سے کہا اور ساتھ ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس دیا۔

”تھک گیا تھا، لیکن گھر آتے ہی ساری تھکن اتر گئی۔“ جاوید صاحب مسکرائے، تین سانسوں میں پانی کا گلاس

ختم کیا، پانی کی ٹھنڈک رگ رگ میں اتری تھی۔

”ٹریفک کا سسٹم پتہ نہیں کب ٹھیک ہوگا؟“ نمرانے منہ بنایا۔

”پوسٹرہ شجر سے امید بھار رکھ۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”نمراسا لن گرم کرو، روٹی بناؤ، دیکھ نہیں رہی صبح کے گئے اب تھکے ہارے آئے ہیں۔“ صالحہ نے کمرے میں

داخل ہوتے ہی نمراکو ہدایت دی۔

”کھانے کے بعد مومنہ تم چائے بنا لیتا“ مومنہ اور نمر دونوں کچن میں آ گئیں، صالحہ، جاوید صاحب کو صائمہ

کے گھر جانے اور علی کے متعلق بتانے لگیں۔

☆☆☆

زندگی ان دونوں بہت خوشگوار تھی اور بے فکری بھی، فکر کرنے کے لیے ابو تھے، محبت لٹانے کے لیے امی تھی۔

نمر کی مگنی اچھے طریقے سے ہو گئی تھی، یا سر کو دیکھ کے مل کر سب کو خوش ہوئی تھی۔

”ابو! آج ہم سب سی ویو چلیں؟“ مومنہ کو اچانک سی ویو جانے کا خیال آیا تھا۔

”چلو اپنی امی سے کہو۔“ ابو نے بھلا کبھی کوئی خواہش رد کی تھی جواب کرتے۔

”امی چلیں گی نا؟“ نمرابولی۔

”نہیں تم لوگ جاؤ۔“ امی بولیں۔

”مگر کیوں امی؟“ مومنہ نے بے اختیار پوچھا۔

”یوں ہی میرا دل نہیں چاہتا ہا ہر جانے کو، بوڑھی ہو گئی ہوں تم لوگ جاؤ۔“

”نہیں بالکل بھی نہیں، تم بوڑھی نہیں ہوئی ہو۔“ ابو نے امی سے کہا۔

”آپ کہیں نہ امی سے ساتھ چلیں۔“ نمرانے منہ بسورا۔

”صالحہ! بچے کیا کہہ رہے ہیں، تیار ہو جاؤ۔“ امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

امی تیار ہو کر آئیں تو بہت پیاری لگ رہی تھیں، نیلے رنگ کے سوٹ میں ان کی گوری رنگت دمک رہی تھی



سب نے بہت انجوائے کیا، یہ ایک خوشگوار اور یادگار تفریح تھی اور شاید ان سب کی اکٹھی اور آخری بھی۔

مومنہ کے بی اے کے فائنل امتحان ہونے والے تھے، بی اے کا آخری سال تھا کہ ابو اچانک بیمار پڑ گئے، ان کے گردے خراب ہو گئے تھے، ان کو شوگر ہو گئی تھی لیکن ابو نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، یوں ان کی صحت بہت اچھی تھی اس لیے بظاہر کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن اندر ہی اندر بیماری اپنا کام کر رہی تھی، دونوں گردوں نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ڈاکٹر نے ڈائی لیس کا مشہورہ دیا تھا، یہ بہت تکلیف دہ عمل تھا، ابو کو ہسپتال میں ایڈمٹ کر لیا تھا، علاج بھی مہنگا تھا، علاج کے اخراجات فیکٹری برداشت کر رہی تھی، مومنہ سارا دن ہسپتال میں گزارتی۔

☆☆☆

”بیٹا اپنی پڑھائی پر توجہ دو، تمہارا فائنل ایئر ہے۔“ ابو نے سمجھایا تھا۔

”میری تیاری ہے۔“ مومنہ نے لا پرواہی سے جواب دیا۔

”میری خواہش تھی، میں اس وقت تو زندہ رہتا جب تک تم دونوں کی شادی نہ ہو جاتی، لیکن اب ایسا مشکل نظر

آتا ہے۔“ وہ بہت رنجیدہ لگ رہے تھے۔

”پلیز ابو!“ مومنہ نے ٹوک دیا۔

”آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ انشاء اللہ زندہ رہیں گے بہت عرصے تک، اپنے لیے ہمارے لیے۔“ نمر اور

امی بے آواز آنسو بہا رہی تھیں، صالح کو تو اپنے کھانے پینے سونے جاگنے کا کچھ ہوش نہ تھا، وہ ایک پل کو ان کے پاس سے ہٹنے کو آمادہ نہ تھیں، نجائے کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ ان کے جیون ساتھی ان سے مجھڑنے والے ہیں۔

”مومنہ! تم میری بہادر اور حوصلہ مند بیٹی ہو، تمہیں ان کٹھن حالات میں ثابت قدم رہنا ہوگا، میں تم لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں، تم لوگوں کے لیے کچھ چھوڑ کے نہیں جا رہا، سوائے تنگ دستی اور پریشانی کے، وہ دکھ سے بولے تو مومنہ تڑپ گئی، نمر کے آنسو روانی سے بہنے لگے، وہ تو بات کرنے کی قابل بھی نہیں تھی۔

”ابو! ہمیں فخر ہے، آپ نے ہمیں رزق حلال کھلایا، ہمیں اچھی تعلیم اور تربیت دی ہے۔“

”مومنہ! میری بیٹی تم پہ بہت بڑی ذمہ داری ڈال کے جا رہا ہوں، زندگی اگر مہلت دیتی تو ایسی نوبت کبھی نہ آتی۔“ حسرت ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

”ابو! ایسے مت کہیں۔“ نمر چلائی تھی رنج سے۔

”تم نے اپنی امی کا بہت خیال رکھنا ہے، نمر اتم سے بڑی ہے، مگر تمہاری طرح حوصلہ مند اور بہادر نہیں، تمہیں

بہن کو بھی سنبھالنا ہے، خود کو بھی سنبھالنا ہے۔“

”ابو! مومنہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے اور آنسو ان کے ہاتھوں پر گرنے لگے تھے۔“

”رو مت“ ابو نے ہاتھ اٹھا کر مومنہ کے آنسو پونچھے، ان کے ہاتھوں میں لرزش تھی، بولتے بولتے تھک کر

انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

پوری رات وہ بے چین رہے، تینوں ماں بیٹیاں پاس تھیں علی بھی ہسپتال میں تھا، خالہ خالو کچھ دیر کے لیے آئے

تھے، حسب عادت خالہ کا غرور آسمان پر تھا۔

”پیسے وغیرہ چاہئیں ہو تو مانگ لیا کرو، یہ تمہاری انا کی عادت بہت بری ہے۔“ خالہ نے نخوت سے کہا، امی

خاموشی سے آنسو بہانے لگیں۔

”یہ ہمدردی تھی یا زخموں پر نمک چھڑکنا۔“ مومنہ سوچ کے رہ گئی تھی۔

صبح ہوئی تو ان کی طبیعت کچھ بہتر لگی تھی، تبھی وہ سو گئے تھے۔

”تم دونوں کو گھر چھوڑ آؤں، شام کو واپس آ جانا، ساری رات سے جاگ رہی ہو۔“ علی پاس آ کر بولا۔

”آج اباکا ڈائی لیس بھی ہے۔“ مومنہ نے یاد دلایا۔

”ہاں مجھے پتا ہے۔“

”میں تب تک یہیں رہوں گی۔“ مومنہ بولی۔

”اور نمراتم.....“ علی نے نمرات کو دیکھا۔

”میں بھی ابو کے پاس رہوں گی۔“ نمرات نے جواب دیا، ان میں سے کوئی بھی ایک منٹ کے لیے بھی الگ

ہونے پہ آمادہ نہیں تھا۔

شام کو انہیں ڈائی لیس کے لیے لے جایا جانے لگا تو وہ بولے۔

”صالح! پریشان مت ہونا، اپنا اور بچیوں کا خیال رکھنا“ امی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

وہ ساکت بیٹھی ہوئی تھی، مومنہ کا دل چاہا کچھ کہے کچھ بولیں تاکہ دل میں آتے وہم پریشان نہ کریں، پھر بہت

دیر ہو گئی، وہ ابو کو واپس نہیں لائے، اس سے پہلے تو اتنی دیر کبھی نہیں ہوئی تھی، مومنہ سوچ رہی تھی، اتنے میں علی کمرے میں

آیا۔

”علی!“ نمرات کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”کیا ہوا؟“ وہ گھبرا گیا۔

”وہ ابو کو ڈائی لیس کے لیے لے گئے تھے مگر زیادہ دیر ہو گئی ہے۔“ مومنہ پریشانی سے بولی۔

”اچھا میں پتا کر کے آتا ہوں۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ وہ دونوں چلے گئے، امی واش بیسن میں وضو کر رہی تھیں، مومنہ باہر آ گئی،

اتنے میں کوریڈور میں علی اور نمرات نظر آ گئے۔

”مومنہ..... مومنہ!“ نمرات مومنہ کو دیکھتے ہی روتے ہوئے چلائی تھی۔

”ابو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔“

”نہیں..... نہیں“ مومنہ بے یقینی سے نمرات کو دیکھ رہی تھی جو اس کے گلے لگے روئے جا رہی تھی، ایک قیامت تھی

جو آ کر چلی گئی تھی۔

مومنہ بھی نمرات سے لپٹ کر زور زور سے رونے لگی تھی، ابو چلے گئے تھے اور جیسے کچھ نہیں بچا تھا، سب ختم ہو گیا تھا۔

”مومنہ کو کچھ ہوش نہیں تھا، مومنہ کو تو یہ بھی نہیں پتا تھا کب باپ کو لائے اور کب وہ آخری سفر پر روانہ ہوئے

تھے۔

باپ کو گئے اتنے دن ہو گئے تھے، اور انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چلے گئے ہیں۔

وہ تینوں صبح سے شام تک بیٹھیں سوچتیں رہتیں، ایک ایک بات، ایک ایک انداز، کیا ان کے بعد بھی کوئی ان

سے اتنا پیار کر سکے گا، گھر میں اتنی خاموشی تھی کہ اس خاموشی سے خوف آتا تھا، چالیسویں کے بعد نمرانے یاد دلایا۔

”مومنہ تمہارے فائنل ایگزام کب ہیں؟“

”ایگزام۔“ مومنہ نے دماغ پہ زور ڈالنا چاہا۔

”مجھے یاد نہیں۔“ مومنہ بے زاری سے بولی۔

”تم..... صبح کالج جاؤ، پتہ کرو، ڈیٹ شیٹ آگئی ہوگی۔“ نمرابولی۔

”میرادل نہیں چاہے گا اب۔“ مومنہ اداسی سے بولی۔

”مومنہ! تمہیں یاد ہے ابو کی آخری باتیں، ابو کو تم سے کتنی امیدیں تھیں۔“ نمرانے یاد دلایا تو وہ جیسے بے چین ہو گئی۔

”مجھے یاد ہے سب“

”تم تو بالکل ہمت ہار گئی ہو، امی کو کیا حوصلہ دوگی، امی کتنی پریشان ہیں۔“ نمرانے احساس دلایا۔

”امی کہاں ہیں؟“ مومنہ شرمندہ ہوئی، وہ سب سے غافل ہو گئی تھی، بس ابو کو تنہا بیٹھی یاد کیے جاتی تھی۔

”امی! اپنے کمرے میں ہیں، میں نے دوائی دی ہے۔“ نمرانے بتایا تھا۔

”امی کو کیا ہوا ہے؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”امی کو بخار ہے۔“ نمراداسی سے بولی۔

”کب سے؟“ وہ چونکی۔

”چار دن ہو گئے ہیں۔“ نمرارودینے کو تھی، ابو کے سانچے کے بعد وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔

مومنہ امی کے کمرے میں آئی، وہ نیند کی دوائی کے زیر اثر سو رہی تھیں، چہرے پہ نقاہت نمایاں تھی، کچھ ہی دنوں

میں وہ اپنی عمر سے دو گنی نظر آ رہی تھیں، مومنہ ہلکے ہلکے ان کا سر دبانے لگی، نمرابھی پاس بیٹھ گئی تھی، سب رشتے دار جاچکے تھے، رسم سب نے کہا تھا، بلکہ یقین دلایا تھا کہ وہ سب دکھ میں ان کے برابر کے شریک ہیں، نمرادور مومنہ کو تو رشتے داروں کی تسلیوں پہ یقین آ گیا تھا کہ ناجائز تھیں۔

فکر صالح کو بھی، صالح کو یقین تھا کہ وہ اپنے گھروں میں جا کر اپنی زندگی میں گمن ہو گئے ہوں گے جب کے ان کا غم تازہ تھا، صالح کو یہ بھی یقین تھا کہ وہ کسی مشکل میں ان کے ساتھ نہیں ہوں گے، وہ صالح اور جاوید کے حالات سے بخوبی واقف تھے، اس لیے اپنی تقریبات میں انہیں بہت کم بلاتے تھے، جب کے ان کی بہن صائمہ کو بطور خاص فون پہ اصرار کر کے بلایا جاتا تھا، صائمہ کے ساتھ سب کے مراسم گھرے تھے، صالح کے ساتھ نام کی رشتے داری تھی جبکہ جاوید اور صالح بے حد محبت کرنے والے مخلص لوگ تھے، دونوں بے غرض اور سچے تھے لیکن غریب کا مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی سے زیادہ محبت جتا رہے تو مد مقابل اگر امیر ہو تو وہ اس کے خلوص کو الگ رنگ میں دیکھتا ہے، کچھ اسے غرض سمجھتے ہیں کوئی خوشامدی کسی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر اسے زیادہ فری کر لیا تو کہیں مشکل وقت میں مجھ سے پیسے نہ مانگ لے، اس لیے اسے حد میں رکھا جائے۔

صائمہ اور صالح ایسی ہی مثال رکھتی ہیں، صائمہ شاطر، منافق، خود غرض، مادہ پرست خاتون تھی جبکہ صالح اس کے برعکس تھی، بے غرض محبت رکھنے والی سادہ مزاج لیکن رشتے داروں میں پذیرائی صائمہ کو ملتی، صائمہ کو اہمیت دی جاتی ہے، یا

یہ کہنا مناسب ہوگا اہمیت ان کے لیے بیٹے کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

ایسے میں ان رشتے داروں سے صالح کوئی اچھی امید رکھے یہ سراسر محض حماقت ہی کہلائے گی، صالح غم سے باہر نکلے تو احساس ہوا، ان پر ذمہ داریوں کا پہاڑ تھا، صالح ذمہ داریاں دیکھ کر چکر اٹھیں۔

☆☆☆

مومنہ کچھ دن بعد کالج گئی تھی تو پتہ چلا امتحان نہ صرف شروع ہو چکے ہیں بلکہ تین ہفتے بھی ہو گئے ہیں، یہ خبر بہت بڑا صدمہ تھا۔

اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا وہ اپنی کلاس کی ذہین طالبہ تھی، یہ اس کا بی اے کا فاضل ایئر تھا، اس کی محنت ضائع ہو چکی تھی، کالج کے شیخ بیٹھی دکھ سے وہ آنسو بہا رہی تھی۔  
ان حالات میں تعلیم اور ڈگری شوق ہی نہیں ضرورت بھی تھی، نبجانے کتنے پل یوں ہی گزر گئے، خود کو حوصلہ خود ہی دیا اور گھر آ گئی، امی اور نمر کو بہت دکھ ہوا یہ جان کر جاوید صاحب کی وفات نے تو سب ہی کچھ بھلا دیا تھا اور اس بھلانے کا بھی نقصان ہوا تھا۔

”امی! بکلی کا بل دو مہینے سے نہیں گیا اور نہ ہی گیس کا بل گیا ہے۔“ نمر نے کہا۔  
”اوہ۔“ صالح نے سر پکڑ لیا۔

”امی! آج پکانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے سودا سلف سب ختم ہے۔“ نمر ابولی۔  
”پیسے بھی میرے پاس بہت کم رہ گئے ہیں۔“ صالح پریشانی سے بولیں۔

”امی اب کیا ہوگا؟“ مومنہ اپنی پریشانی بھول کر نئی پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی۔  
”اللہ مالک ہے، وہ رازق ہے کوئی سبب بن جائے گا۔“ صالح نے مومنہ سے زیادہ شاید خود کو بھی تسلی دی تھی۔  
”امی! ابو کی فیکٹری سے کیا کچھ نہیں ملے گا؟“ نمر نے سوال کیا۔

”بیٹا تمہارے ابو کا علاج بہت مہنگا ہوا تھا، وہ تمام اخراجات فیکٹری نے برداشت کیے تھے، یہ گورنمنٹ جاب تو نہیں تھی جو ریٹائرمنٹ اور پنشن ہوتی۔“ صالح بولیں۔

”امی اب کیسے گھر چلے گا؟“ نمر افسردہ تھی، صالح کیا جواب دیتی اس سوچ نے تو اسے پریشان کیا ہوا تھا، دن کا سکون اور رات کی نیند سب ختم کر دیا تھا۔

”امی میں جاب کر لیتی ہوں۔“ مومنہ بولی۔

”جاب تمہیں کہاں ملے گی، تم تو گریجویٹ بھی نہیں ہو، جبکہ ایم اے پاس بیروں کا رہا تو تمہارے پاس نہ ڈگری ہے نہ کوئی تجربہ۔“ نمر ابا پوسی سے بولی تھی۔

”میں پھر بھی کوشش کروں گی۔“ مومنہ عزم سے بولی۔

مومنہ نے اپنی دوستوں کو جاب کے لیے کہا، کچھ ہی دن بعد ایک دوست مومنہ کے گھر تھی۔  
”سنو مومنہ! جاب کر دو گی۔“ عصمت نے کہا۔

”ہاں..... کہاں اور کیا کام ہے؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”میڈیسن کمپنی میں جاب ہے، پک اینڈ ڈراپ سیلری بھی اچھی ہے۔“

”مجھے جاب مل جائے گی؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”ہاں میں نے تمہاری بات کر لی ہے، میرے کزن ہیں وہاں ثاقب بھائی وہ تمہاری مدد کریں گے، تمہارا خیال رکھیں گے۔“ عصمت نے تسلی دی۔

ای کو پتہ چلا تو حسب توقع انکار کر دیا، بیٹی کی ماں تھیں، سو خدشوں و سوسوں نے گھیر لیا، بیٹی کی کم عمری، بھولپن زمانے کی تیزی وہ بھلا کیسے خود سے دور مومنہ کو بھیج سکتی تھیں، لیکن مومنہ کے پاس بھی تو معقول وجوہات تھیں دلائل کا پلندہ تھا اور گھر کے نامساعد دیگر گروں حالات صالحہ کے سامنے تھے، آج اگر مومنہ کو روک لیتی ہے تو کل یا پرسوں آنے والے وقت میں کیا ہوگا، سوچیں فکریں صالحہ کا سر پھٹنے لگا تھا۔

اس کے باوجود انہوں نے اجازت نہیں دی تھی، ایسا تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ان کی کسی بیٹی کو نوکری کرنی پڑے گی۔

کمانے کے لیے گھر کی کفالت کے لیے باہر نکلنا پڑے گا، ساری رات وہ سو نہیں سکی، وہ اپنی بیٹی کو جاب پہ بھیجنے کے لیے آمادہ نہیں تھی۔

ابھی صبح فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوئی تھی کہ ان کے بھائی سلیم کا فون آ گیا، خیر خیریت کے بعد مومنہ نے بات کی اور جاب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے صالحہ سے بات کی اور سمجھایا کہ آج کل جاب کرنا ممنوع نہیں سمجھا جاتا، جاب کے لیے اب حالات بھی موزوں ہیں اور جاب کرنے والی لڑکیوں کی ڈیمانڈ رشتے کے لیے زیادہ ہے، معاشی طور پر آج کل ہر لڑکی مضبوط ہونا چاہتی ہے، شوہر اور سرال والے ایسی لڑکی پہ زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ کچھ دن عصمت کی یقین دہانی اور مومنہ کی ضد اور حالات سے آگاہی کے باعث صالحہ نے اجازت دے دی۔

☆☆☆

مومنہ جاب پہ آج پہلے دن جا رہی تھی، صالحہ بے حد فکر مند تھیں، بے شمار آیات دعائیں پڑھ کر پھونکیں تھیں، مومنہ کے جاب پہ جاتے ہی ان کا دل گھبرانے لگ گیا تھا۔

مومنہ بھی بے حد گھبرائی ہوئی تھی، عصمت اس کے ہمراہ تھی، عصمت کے لیے یہ جاب وقت گزاری یاد دل و ابستگی کا بہانہ تھی، مومنہ کی تو مجبوری تھی، عصمت نے منظر کشی بے حد حسین کی تھی، کام اتنا سہل و نقیش بھی نہیں تھا، صاف ستر اماحول تھا، ثاقب بھائی قدرے سخت گیر انچارج تھے، سفید گاؤں شوز کیپ پہن کر پہلے ہی روز اس کی ٹانگیں کھڑے کھڑے اڑ گئی تھیں، کام ہی اتنے تو اتار سے چلتا، مشین کے ہمراہ ہاتھ چلاتے چلاتے وہ ہلکان ہو جاتی اوپر سے انچارج کی کڑی نگاہیں، وہ ڈیپارٹمنٹ سے باہر آئی تو گویا کسی قید سے رہائی نصیب ہوئی ہو جیسے، تازہ ہوا میں سانس لی، دماغ ماؤف سا تھا، نگاہوں کے سامنے بار بار اندھیرا چھا جاتا۔

اپنے بابا کو یاد کر کے آنسو بہائے اتنے میں عصمت آ گئی۔

”کہو کیسا رہا؟ مزہ آیا۔ لیکن تمہارا چہرہ تو اترا ہوا لگ رہا ہے۔“ عصمت نے بغور اس کا چہرہ دیکھا، مومنہ کو اپنی

کم ہمتی پہ شرمندگی سی ہونے لگی، عصمت دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں تھی، ثاقب بھائی اس کے کزن تھے، اس کے لیے سہل۔ کام رکھا تھا، عصمت کے چہرے پہ تھکن بھی نہیں تھی، ایئر کنڈیشنرز روم میں سارا دن بیٹھنے کے بعد وہ بالکل فریش ہی لگ سکتی تھی، قریب ہی ایک لڑکا سیٹی بجاتا ہوا بے تکلفی سے آ کر کھڑا ہو گیا، مومنہ گھبرا گئی تھی۔

”زیر ایہ میری دوست مومنہ ہے۔“ عصمت نے خوشدلی سے تعارف کروایا تھا۔

زیر ایک دبلا پتلا عجیب سے میز اسٹائل چھوٹی چھوٹی چمکدار آنکھوں والا لڑکا تھا، اک اچھلتی ہوئی سی نظر اس پر ڈال کر مومنہ دو رستوں سے لپٹی ہو گئی، جبکہ مومنہ کو دیکھ کر زیر کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس کی نظروں سے مومنہ کو الجھن ہونے لگی تھی، زیر دلچسپی سے مومنہ کو دیکھ رہا تھا، بلاشبہ وہ فیکٹری کا سب سے حسین چہرہ تھا۔

اس وقت در کر کوڑا پ کرنے کے لیے دین آ گئی، ہارن دیا تو اک بھگدڑی مچ گئی، عصمت بھاگ کر دین میں سوار ہو گئی تھی، مومنہ تیز تیز چلنے لگی تو ٹانگیں لرزنے لگیں، وہ بے شکل اپنے من من بھر کے قدموں کو کھینچتی دین میں چڑھی، عصمت کی برابر والی سیٹ پر دم سے گری تھی اور اپنی منتشر سانسیں بحال کرنے لگی۔

”مومنہ! تم نے زیر کو سلام بھی نہیں کیا، کیا سوچتا ہوگا؟“ عصمت نے لتاڑا۔

”میں اسے سلام کیوں کرتی، میری بلا سے جو مرضی سوچے۔“ مومنہ نے بے رخی سے جواب دیا تھا۔

”زیر یہاں کا سب سے اچھا لڑکا ہے، کھاتے پیتے گھر سے ہے، فیکٹری میں جاب بس وقت گزاری کے لیے

کرتا ہے۔“ عصمت نے کہا۔

”اگر اتنا ہی کھاتے پیتے گھر سے ہے تو اتنی پر مشقت نوکری کیوں کر رہا ہے شاید لڑکیوں میں گھنے کا شوق یا

عارضہ ہے۔“ مومنہ نے طنز کیا۔

”تم یہ بتاؤ تمہیں جاب کیسی لگی؟“ عصمت نے پوچھا۔

”سو سو۔“ مومنہ کا موڈ زیر کی وجہ سے خراب تھا۔

”کیا..... سو سو..... بی اے ایم اے پاس نوکری کے لیے جوتیاں چننا پھرتے ہیں تمہیں آسانی سے مل گئی

نا، اس لیے ناشکر اپنا نہ کرو۔“ عصمت سپاری کھاتے ہوئے بے تکلیف ہانکنے لگی، مومنہ بیزار ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی،

گھر آیا تو مومنہ نے سکھ کا سانس لیا۔

صالحہ اور نمر اپنا بچے سے ہی صحن میں بے چینی سے مومنہ کا انتظار کر رہی تھیں، پینتالیس منٹ کا فاصلہ تھا، پونے

چھ ہو رہے تھے اس وقت دونوں کا پریشانی سے برا حال تھا، دین کی آواز پہ دونوں نے بے صبری سے دروازہ کھولا تھا۔

مومنہ کو دین سے اترتے دیکھا تو جان میں جان آئی تھی۔

”السلام علیکم!“ مومنہ نے دھیمے سے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام شکر ہے تم آ گئی۔“ صالحہ بیقراری سے بولیں۔

”امی تو پانچ بجے سے صحن میں کھڑی ہیں۔“ نمر نے بتایا۔

”امی! آپ دونوں تو ایسے انتظار کر رہی تھیں۔ جیسے میں سالوں بعد دینی سے آرہی ہوں۔“ مومنہ نے مسکرا کر

کہا۔

”تمہیں کیا معلوم بیٹا میرے دل میں کیا گزر رہی تھی۔“ صالحہ نے نم آنکھوں سے بے بسی سے کہا تھا۔

”تھک گئی ہونا“ نمر نے اس کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ہمدردی سے کہا تھا۔

”ہاں۔“ مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”بیٹا! ماحول کیسا ہے کتنے لوگ کام کرتے ہیں؟“ صالحہ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کیے تھے۔

”امی! ماحول بہت اچھا ہے کافی لڑکیاں ہیں، ثاقب بھائی بہت شریف انسان ہیں۔“ مومنہ نے تسلی دی۔  
 ”میٹا دیکھ لو، جاب ضروری نہیں ہے، سب سے اہم عزت ہے، میں نہیں چاہتی کوئی بری نظر بھی میری بیٹی پہ پڑے۔“ صالحہ جذباتی ہوئی تھیں۔

”امی! میں جانتی ہوں، آپ بے فکر رہیں، ایسی کوئی بات ہوئی تو میں لمحہ بھی نہیں لگاؤں گی جاب چھوڑنے میں۔“ مومنہ نے اٹل انداز میں جواب دیا۔

صالحہ کے دل کو اطمینان ہوا ان کی بیٹی سمجھدار اور با حوصلہ تھی۔  
 کچھ دیر میں تینوں نے ساتھ کھانا کھایا، کھانا کھاتے ہی مومنہ تھک کے بستر پہ لیٹ گئی اور سو گئی۔  
 اگلی صبح پھر نوبہ بجے دین اس کے دروازے پہ تھی، صالحہ اور نمرائے رخصت کرنے دروازے تک آئی تھیں، صالحہ نے حسب عادت مومنہ پہ بے شمار دعائیں پڑھ کر پھونکی تھیں، صالحہ اس وقت کتنی مجبور اور بے بس تھیں، یہ صرف اللہ یا وہ خود جانتی تھیں۔

”امی آپ پریشان مت ہوں، مومنہ پہ بھروسہ کیجیے۔“ نمرائے اندر کمرے میں لے آئی تھی۔  
 ”نمرائے صائمہ نے کافی دن سے چکر نہیں لگایا۔“ صالحہ کو اچانک ہی بہن کی یاد آ گئی تھی۔  
 ”جی امی! میں بھی سوچ رہی تھی اور علی بھی نہیں آیا۔“ نمرائے جواب دیا۔  
 ”شاید مصروف ہوں گے، آج کل گھر سے نکلنے کی فرصت کہاں ملتی ہے۔“ صالحہ بولیں۔  
 ”امی! لیکن علی کے پاس تو ہمیشہ فرصت ہوتی تھی، ہمارے گھر آنے کی اب شاید واقعی مصروف ہو گیا ہے۔“ نمرائے مسکرائی۔

”اڑھے میری تو مت ماری گئی، مجھے بتا رہا تھا کہ خالہ میں دوست کی شادی میں ملتا جا رہا ہوں، پھر وہاں سے آگے دادی سے ملنے جانا ہے۔“ صالحہ کو یاد آ گیا۔  
 ”تب ہی تو۔“ نمرائے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

فیکٹری پہ مومنہ اپنے کام میں مگن تھی، زیر گھنٹہ بھر سے ارد گرد لڑکیوں کے گرد گھوم رہا تھا، لڑکیوں کیساتھ ہنسی مذاق کا سلسلہ چل رہا تھا، کچھ لڑکیاں بھی ایسی تھیں شوخ و حاضر جواب شگفتہ مزاج، ان سے باتیں کرتے ہوئے بھی زیر کے دھیان کا مرکز مومنہ تھی، اچانک انچارج ثاقب بھائی کی آمد پر خاموشی چھا گئی، صرف مشینوں کا دھیمادھیم شور سنائی دے رہا تھا، ہر کوئی مستعدی کا مظاہرہ کرتا نظر آ رہا تھا۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا، ڈیپارٹمنٹ کا داخلی دروازہ شیشے کی دیوار میں فٹ تھا، انچارج کے آنے سے قبل ہی سب البرٹ ہو جاتے، وہ تفصیلی ناقدانہ نظروں سے یہاں سے وہاں تک کا جائزہ لیتے، ان کی ڈیوٹی بس اتنی ہی تھی یا پھر ڈیپارٹمنٹ کے باہر کے حساب کتاب ان کے ذمے تھے، ثاقب بھائی کے جاتے ہی زیر اس کے پاس آیا۔  
 ”ہیلو مومنہ!“ مومنہ نے سر اٹھا کے سنجیدگی سے دیکھا۔

”جی!“

”کوئی مسئلہ یا پریشانی ہو تو مجھے بتائیے میں ہوں نا۔“ وہ بلاوجہ مسکرایا۔

”مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ مومنہ نے بے رخی سے کہا، مومنہ کا موڈ خراب تھا، لہجہ بریک ہوا تو وہ عصمت کے ساتھ باہر آئی تھی۔ وہ اور عصمت چائے پی رہی تھیں، ساتھ میں گھریلو باتیں بھی ہو رہی تھیں، جب ہی زبیر بھی عصمت سے ملنے کے بہانے آ گیا تھا۔

وہ عصمت سے باتیں کر رہا تھا مگر اپنی چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مومنہ کو دیکھے جا رہا تھا، مومنہ سے چائے پینا دشوار ہو گیا، مومنہ کا دل چاہا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے مگر ڈیپارٹمنٹ خالی تھا، فیکٹری میں اس کا دوسرا دن تھا، وہ خود عصمت کے ساتھ میں عافیت سمجھتی تھی۔

”میں تم دونوں کے لیے سمو سے لے کر آتا ہوں۔“ زبیر نے اپنے والٹ میں بھرے سبز نیلے نوٹوں کی نمائش کی، یہ نمائش مومنہ کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

”سمو سے ضرور۔“ عصمت مزے سے بولی۔ مومنہ کو عصمت پہ بہت افسوس ہوا، اک گہری نظر سے مومنہ کے چہرے کو دیکھا جہاں چہرے پہ ناگواری کے تاثرات واضح تھے۔

سمو سے آگئے تھے عصمت مزے لے لے کر کھا رہی تھی، عصمت کے اصرار پر مومنہ نے ناراض نظروں سے عصمت کو دیکھا تھا۔

مومنہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی اور ایک درخت کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی جہاں پہلے ہی دوڑکیاں کھڑی تھیں، کچھ ہی دیر میں وہ دونوں مومنہ سے فری ہو گئی تھیں۔

”ہائے کتنی خوبصورت ہونم اور اسکن کتنی چمکدار، صاف و شفاف ہے فیشل مساج کہاں سے کرواتی ہو؟ سچ سچ بتانا۔“ ایک بولی تو مومنہ اس کی سادگی پہ مسکرا دی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں مزید لودینے لگی تھیں، عارض دیکھتے سے نظر آ رہے تھے۔

”میں نے کبھی فیشل یا مساج نہیں کروایا۔“ مومنہ نے سچائی بیان کی تھی، وہ محض مسکرا کے رہ گئی تھی۔

”مومنہ! ایک بات کہوں۔“ ماہین سنجیدہ ہوئی تھی۔

”جی ضرور۔“ مومنہ متوجہ ہوئی تھی۔

”زبیر ایک آوارہ اور دل پھینک انسان ہے، اس سے بچ کے رہنا، تم بہت پیاری ہو، تم پہ وہ ضرور جال پھینکے

گا۔“ ماہین کے کہنے پہ وہ سناٹے میں رہ گئی تھی۔

”یا اللہ میں کہاں پھنس گئی؟“ مومنہ رو دینے کو تھی۔

”مومنہ! تم پریشان مت ہو، جو صلے سے کام لو، وہ بھلا کیا کر سکتا ہے۔“ ماہین نے نرمی سے کہا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ مومنہ نے مرے مرے انداز میں کہا۔

”میں نے تو آپ کو پریشان کر دیا۔“ ماہین افسوس سے بولی، مومنہ کی پھینکی پڑتی رنگت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ

خوفزدہ ہو گئی تھی۔

”مومنہ آج سے ہماری دوستی پکی ہے۔“ ماہین نے ہاتھ مومنہ کی جانب بڑھایا تھا۔

”بالکل پکی ہے۔“ مومنہ نے گرجوٹی سے ہاتھ تھام لیا تھا۔

ماہین اسے بھی پسند آئی تھی، وہ بلند کردار کی تھی، عصمت کو دیکھ کر تو مومنہ حیران رہ گئی تھی، مومنہ کو بالکل بھی



اندازہ نہیں تھا کہ عصمت سطحی سوچ کی لڑکی ہوگی۔

ماہین کے پوچھنے پر مومنہ نے اسے مختصر اپنا بیک گراؤنڈ بتایا تھا۔

”میرے ابو ایک کالج میں چوکیدار ہیں، ہم چار بہنیں ہیں، ایک بھائی ہے، سب سے چھوٹا گھر کے مالی حالات

کافی خراب ہیں، صرف ایک باجی شادی شدہ ہیں۔“ ماہین نے اپنے بارے میں بتایا تھا۔

”مومنہ! تم یہاں کیوں آ گئی، زیر کو کتنا برا لگا ہوگا، بسو سے منگوائے تھے اس نے اور تم اپنی بد تہذیب تو نہیں لگتی

تھی۔“ بریک ختم ہوئی تو عصمت اس کے پاس آ کر بولی۔

”عصمت! میں یہاں صرف جاب کرنے آئی ہوں اور پلیز اپنے زیر صاحب سے کہو وہ مجھ سے مت مخاطب

ہوا کریں۔“ مومنہ خفا ہوئی۔

”وہ بہت اچھا اور خیال رکھنے والا لڑکا ہے، نجانے تم۔“

”تم ختم کرو زیر نامہ۔“ مومنہ نے ناگواری سے کہا تھا، عصمت چپ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

آنٹی! مومنہ کہاں ہے؟ علی نے پوچھا، کافی دن کے بعد وہ آج آیا تھا۔

”وہ جاب پر گئی ہے بیٹا!“ صالحہ نے آنکھیں چرائی تھیں۔

”جاب۔“ علی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا، صالحہ چپ ہی رہی تھیں۔

”تم کب آئے خالہ کیسی تھیں؟“ نمرانے بات ٹالی تھی۔

”میں آج ہی آیا ہوں، اماں ٹھیک ہیں۔“ علی بولا۔

”مومنہ کتنے بجے واپس آتی ہے؟“ علی نے پوچھا۔

”پونے چھ بجے، بس آنے والی ہوگی، وقت تو ہو گیا ہے۔“ نمرانے جواب دیا۔

”وین لینے آتی ہے اور واپسی پر بھی اسی میں آتی ہے۔“ صالحہ نے سادگی سے کہا تھا، اتنے میں دروازے پر

دستک ہوئی۔

”مومنہ آ گئی ہے۔“ نمرا کہتی ہوئی دروازہ کھولنے آئی۔

”السلام علیکم!“ علی کے ساتھ سب نے جواب دیا تھا۔

”کیسی ہو مومنہ؟“ علی نے بغور اسے دیکھا تھا، وہ کچھ کمزور اور تھکی ہوئی لیکن ویسی ہی دلکش لگ رہی تھی، علی کی

آنکھوں میں چمک بڑھ گئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟“ مومنہ بیٹھ گئی تھی۔

”میں بھی ٹھیک ہوں، تم یہ بتاؤ تم نے جاب کیوں کر لی، کبھی ہمارے خاندان میں کسی لڑکی نے جاب کی

ہے۔“ علی نے ناراضگی سے کہا۔

”میرے حالات مجھے جاب کی اجازت دیتے ہیں۔“ مومنہ نے برجستہ جواب دیا تھا، علی خاموش رہا، اب

اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

”کہاں جاب کر رہی ہو؟“ کچھ دیر بعد علی نے پوچھا تھا۔

”میڈیسن کمپنی ہے۔“ مومنہ نے مختصر کہا۔

”کس نے بتایا تھا جاب کا؟“ علی فکر مند نظر آ رہا تھا۔

”عصمت میری کلاس فیلو ہے، اس نے بتایا تھا، تمہیں پتہ ہے میرے تین پیپرز ہو چکے تھے جب میں کالج گئی،

مجھے اس بات کا بہت دکھ ہے، علی میرا سال ضائع ہو گیا ہے۔“ مومنہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔

”یہ تو واقعی دکھ کی بات ہے، خاص طور پر تم جیسی ذہین طالبہ کے لیے لیکن تم اگلے سال دے دینا۔“ علی بولا۔

نمر علی کے لیے چائے لے کر آئی تو مومنہ اپنے بیدروم میں آ گئی تھی۔

مومنہ زیر کی وجہ سے اور عصمت کی ناسمجھی کی وجہ سے ذہنی الجھن میں مبتلا تھی، کچھ جسمانی تھکن بھی تھی، وہ اپنے

کمرے میں ہی آرام کر رہی تھی۔

”مومنہ تھک گئی۔ ہے شاید اس لیے لیٹ گئی ہے، کچھ دیر بعد عصر کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھے گی۔“ نمرانے علی

سے کہا وہ بار بار مومنہ کے کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا، علی کی بے قراری نمراسے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ وہ علی کی پسندیدگی

بھی بھانپ گئی تھی مگر مومنہ سے کبھی اس سلسلے میں بات نہیں کی تھی، نمرخالہ کے مزاج سے بخوبی واقف تھی، ایسے میں خواہ

خواہ اگر مومنہ کوئی آنکھوں میں خواب سجا لیتی تو تعبیر پانا مشکل ہو جاتا۔

”میں چلتا ہوں۔“ علی مایوسی سے بولا۔

”مجھے ایسے کیوں لگتا ہے کہ تم صرف مومنہ کی وجہ سے آتے ہو؟“ نمرانے کہا۔

”نہیں ایسا نہیں ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ علی، نمر کے اچانک سوال پر گڑبڑا گیا تھا۔

”اچھا۔“ نمر اسکرائی۔

☆☆☆

عصمت کی زیر سے دوستی تیزی سے بڑھ رہی تھی، مومنہ کو عصمت کی روش پہ حیرت ہوتی تھی، زیر عصمت سے

مخلص نہیں تھا، یہ عصمت بھی جانتی تھی، دونوں محض وقت پاس کر رہے تھے، مومنہ نے عصمت کو سمجھانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن

عصمت نے کہاں سمجھنا تھا، اس کی بات سن کر ہنس دی تھی۔

”ہماری زندگی میں ہے ہی کیا مایوسی، نا کامیاں، گھر جاؤ تو وہاں بھی مسائل کا انبار ہے، اوپر سے والدین کی

نا اتفاقی بہن بھائیوں کی بے حسی، اگر ہم دونوں ساتھ بیٹھ کے ہنس بول لیتے ہیں، کچھ وقت گزار لیتے ہیں اس میں کیا

مضائقہ ہے؟“

”عصمت! زیر نا محرم ہے، شرعی اخلاقی لحاظ سے تم غلط کر رہی ہو، اپنے والدین کو بھی دھوکہ دے رہی ہو،

لڑکیوں کی عزت تو بہت نازک ہوتی ہے۔“ مومنہ نے اس کی منطق کے جواب میں کہا۔

”مومنہ! تمہیں کیا مسئلہ ہے، یہ میرا ذاتی مسئلہ، تمہیں مداخلت کا حق نہیں ہے۔“ عصمت نے رکھائی سے

جواب دیا تو مومنہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کے واپس آ گئی تھی۔

اس کے بعد دونوں کی دوستی کم ہو گئی تھی، البتہ مایین اور مومنہ کی دوستی گہری ہو گئی تھی۔

ثاقب بھائی ایک ماہ کی لیبو پہ تھے، سو مومنہ کی بد قسمتی کہ ہر وقت آس پاس ہی زیر منزل تار رہتا تھا، اس دن

مومنہ معمول کے مطابق اپنے کام میں مگن تھی، کام کے دوران مایین سے باتیں نہیں کرتی تھی، بہت ایمانداری اور لگن سے

اپنا کام کرتی تھی۔

”کام ٹھیک سے نہیں ہوتا تم سے، تیزی سے ہاتھ چلایا کرو، ادھر ادھر کی باتیں کم کیا کرو۔“ زیر کو نہ جانے کیا ہوا جو اچانک اس کے پاس آ کر بولا۔

”مجھے کام سکھانے کی کوشش سے بہتر ہے کہ اپنے کام سے کام رکھو سمجھے، تم اس فیکٹری کے ملازم ہو، انچارج نہیں سنا تم نے اور آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات کی تو اچھا نہ ہوگا۔“ مومنہ کے گہڑے تیور اور جرات دیکھ کر زیر حیران رہ گیا۔

بظاہر دوسری خاموش طبع لڑکی، زیر کا خیال تھا، جھٹ پٹ اس کے رعب سے متاثر ہو کر جی حضور کی کرنے لگی، مگر مومنہ کا مزاج غصے سے سرخ ہوتا چہرہ اور آسمان کو چھوتا پارہ چند لمبے زیر گنگ سارہ گیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ کان دبا کے نکل گیا تھا۔

لچ ٹائم میں وہ اور مابین چائے پی رہی تھیں جب صدف ان کی کو لیگ آئی۔  
”مومنہ! زیر کو کیوں ڈانٹا تم نے؟ دوسروں کے جذبات کی قدر کرنا سیکھو۔“ مومنہ حیرت سے صدف کو دیکھنے لگی۔

جیسے اپنی نسوانیت و وقار کی کوئی پرواہ نہیں تھی، اس سے بحث کرنا بیکار تھا۔  
مومنہ بنا جواب دیے اٹھ گئی تھی، گھر آئی تو تھکن اعصاب پہ سوار تھی۔  
”نمر! بہت تھک گئی ہوں، چائے ملے گی۔“ سلام کے بعد مومنہ نے فوراً کہا تھا۔  
”بالکل۔“ نمر اخوش دلی سے مسکراتی تھی۔

وہ فیکٹری کے مسائل گھر میں ڈسکس نہیں کرتی تھی، وہ امی اور نمر کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ ان کے سامنے بظاہر بہت خوش اور مطمئن نظر آتی تھی، صالو کو بھی کچھ تسلی ہوئی تھی، دوسو سے اور خدشات کچھ کم ہوئے تھے۔  
پہلی تنخواہ ملی تو بجلی گیس کے بل اور سودا سلف لینے کے بعد کچھ ہی پیسے بچے تھے، مگر مومنہ اور صالو، نمر اسب مطمئن تھیں، تینوں قناعت پسند تھیں، روکھے سوکھے میں گزارا کرنے والی۔  
اگلے دن وہ مابین کے ساتھ تھی، جب مابین نے اسے بتایا کہ ثاقب بھائی سعودیہ جا رہے ہیں اور فیکٹری کے انچارج اب زیر صاحب ہوں گے۔

یہ خبر سنتے ہی مومنہ کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ چہرے کی رنگت یکدم پھیک پڑ گئی تھی، اسے یہ جاب ہاتھ سے جاتی محسوس ہوئی، جبکہ یہ جاب اس کی ضرورت تھی، اس جاب کی بدولت وہ عزت سے روکھی سوکھی کھا سکتے تھے۔  
”مومنہ! تم پریشان مت ہو۔“ مابین اس کی اڑی ہوئی رنگت سے فوراً بھانپ گئی تھی۔

”آج وین خراب ہے، بس سے جانا پڑے گا۔“ مابین نے بتایا۔

”ہوں۔“ وہ دماغی طور پر حاضر نہیں تھی، اسے اپنے گھر کے حالات کا بخوبی اندازہ تھا۔

”صدف زیر کے ساتھ بایک پہ گئی ہے، زیر اسے ڈراپ کر دے گا۔“ مابین مسلسل بولے جا رہی تھی۔

زیر انچارج کیا بنا کہ لڑکیاں اسے گھیرے رکھتیں، اس کی گردن مزید تنگ گئی تھی، اب بھی مومنہ کو سر دنگا ہوں سے دیکھا کرتا تھا، مگر صدف شکر طبع نہیں کیا تھا، جبکہ مومنہ کا سکون اڑ گیا تھا اس کی نگاہوں کی خباثت مومنہ کو خوفزدہ رکھتی تھی۔ وہ

خود کو بہت بے بس محسوس کرتی تھی۔

اس دن شہر میں ہڑتال تھی، زیر نے سب ورکر کورات کو میج کر دیا تھا، فیکٹری کل بند ہوگی، لیکن یہ میج ماہین اور مومنہ کو نہیں کیا تھا۔

ماہین کو اس وجہ سے نہیں کیا تھا وہ مومنہ کو بتا دیتی، وین جب انہیں لینے نہ آئی تو ماہین نے فون کیا تو ڈرائیور نے بتایا وہ آج چھٹی پہ ہے۔

ماہین نے مومنہ کو فون کر کے بتایا کہ آج بس سے جانا پڑے گا۔

”شکر ہے بس میں جگہ مل گئی۔“ ماہین بولی۔

”ماہین! اب مجھے اس جاب میں انٹرسٹ نہیں رہا، میں چھوڑنا چاہتی ہوں۔“ مومنہ ادا اس نظر آ رہی تھی۔

”زیر کی وجہ سے؟“ ماہین نے دریافت کیا، مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر پہلے کوئی اور جاب ڈھونڈو، پھر چھوڑ دینا۔“ ماہین نے مشورہ دیا، مومنہ خاموش رہی۔

”یار! آج فیکٹری خالی خالی لگ رہی ہے۔“ مومنہ جیسے گیٹ کے اندر داخل ہوئی ٹھٹک گئی۔

”چوکیدار بھی نہیں ہے۔“ ماہین بولی۔

”سب ورکر کہاں گئے؟“ مومنہ الجھی۔

”وین خراب ہے بس سے آنے میں تاخیر ہوگئی ہوگی۔“ ماہین نے خیال ظاہر کیا تھا۔

”سب لوگوں کو تاخیر ہوگئی، ہم بھی تو پہنچ گئیں۔“ مومنہ رک گئی تھی۔

”چلو اندر پتہ کر کے آتے ہیں، فیکٹری تو کھلی ہے۔“ ماہین نے مشورہ دیا۔

”نہیں میں اندر نہیں جاؤں گی، مجھے گڑ بولگ رہی ہے۔“ مومنہ کی چھٹی حس بیدار ہوگئی تھی۔

”کیسی گڑ بڑ؟“ ماہین چونکی۔

”ماہین! تمہارے پاس جن لڑکیوں کے نمبر ہیں انہیں فون کرو۔“ مومنہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”مگر کیوں؟“ ماہین حیران تھی۔

”تم اپنا موبائل مجھے دو۔“ مومنہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، ماہین نے خاموشی سے اپنے بیگ سے موبائل نکالا

تھا، مومنہ نے فون بک میں وردہ کا نمبر دیکھا اور ڈائل کیا۔

”ہیلو! وردہ تم کہاں ہو؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”میں گھر ہوں خیریت؟“ وردہ بولی۔

”آج تم کام پر نہیں آؤ گی کیا؟“ مومنہ نے دریافت کیا۔

”نہیں آج ہڑتال ہے، تمہیں نہیں معلوم کیا؟“ وردہ نے بتایا۔

”چھٹی تمہیں کس نے بتایا؟“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”سرزیر کارات کو میج آیا تھا، تمہیں نہیں ملا کیا؟“ مومنہ کو جھٹکا لگا تھا۔

مومنہ نے فون بند کیا اور صائمہ کو ملانے لگی تیل جا رہی تھی، مگر صائمہ ریسو نہیں کر رہی تھی، دوبارہ ملانے پہ کال

ریسیو ہوگئی تھی۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف کسی خاتون نے فون اٹھایا تھا۔

”السلام علیکم! انٹی صائمہ کہاں ہے، آج وہ فیکٹری آئے گی؟“ مومنہ نے بے قراری سے پوچھا۔

”علیکم السلام! بیٹا آج ہڑتال کی وجہ سے فیکٹری کی چھٹی ہے۔“ صائمہ کی والدہ نے جواب دیا۔

مومنہ لرز گئی اس کے بدترین خدشوں کی تصدیق ہو گئی تھی، مومنہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، وہ پکرا کے نیچے بیٹھ گئی تھی۔

”مومنہ! کیا ہوا ہے؟“ ماہین بری طرح گھبرا گئی تھی۔

”ماہین آج چھٹی ہے، اس شیطان صفت انسان نے رات کو سب کو مطلع کر دیا تھا۔“ مومنہ کی بات سن کر ماہین سناٹے میں رہ گئی۔

”ماہین! رکشہ پکڑو، ہمیں جلدی گھر جانا ہے۔“ مومنہ بے حد خوفزدہ تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے،

وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی، ماہین بھی بے حد خوفزدہ تھی، گیٹ سے باہر رکشہ کو ماہین نے ہاتھ دیا۔

رکشہ رکتے ہی دونوں نے بنا کچھ کہے اس سے پوچھے غلٹ میں بیٹھنے کی جلدی کی، وہ اس وقت جلد از جلد فیکٹری سے کوسوں دور جانا چاہتی تھیں۔

راستے بھر دونوں خاموش رہیں، اسٹاپ پر رکشے سے اتر کر دونوں کی منزل الگ تھی۔

”مومنہ! میں تمہارے ساتھ چلوں؟“ ماہین نے اس کی حالت دیکھ کر ہمدردی سے کہا تھا۔

مومنہ نے نفی میں سر ہلایا تھا، وہ تیز قدموں سے گھر جا رہی تھی اس کی کیفیت عجیب تھی، وہ بے حد خوفزدہ تھی،

اپنی گلی نظر آتے ہی اسے کچھ اطمینان ہوا، گلی کے سرے پر پرانا مکان مومنہ کا منتظر تھا، زمانے کی دھوپ چھاؤں سے تحفظ لیے مومنہ کا منتظر تھا۔

مومنہ کا دل لپک کر سرخ اینٹوں کی بوسیدہ دیوار سے جا چمٹا، جس پر کی گئی سفید اور زرد قلعی کی پرتیں جگہ جگہ سے

جھڑ چکی تھیں۔

آج سے پہلے یہ گلی اتنی طویل نہیں گئی تھی، آنسوؤں کا سیلاب اس پر بھی رواں تھا، گھر کی کنڈی وہ مسلسل بجائے

جا رہی تھی، نمرا کی آہٹ سن کر اس نے آنسو صاف کیے۔

”کیا ہوا کتے پیچھے لگ گئے ہیں کیا؟“ نمرا نے شونی سے کہا۔

”ہاں کتے پیچھے لگ گئے ہیں“ مومنہ تلخ ہوئی۔

”کیا مطلب؟“ نمرا سمجھی سے بولی۔

”کچھ نہیں۔“ کہہ کر مومنہ کمرے میں آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”اگر آج میں فیکٹری کے اندر چلی جاتی تو۔“ وہ آگے سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا،

آج اسے اپنے ابو بہت یاد آئے، نمرا کمرے میں چائے لے کر آئی تو ایسے دھواں دھار رو تے دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

”مومنہ! مومنہ! کیا ہوا میری بہن؟“ وہ بے حد فکر مندی سے اسے گلے لگائے پوچھ رہی تھی۔

”میری جاب چھوٹ گئی ہے،“ سچ بتا کے وہ انہیں بریشان نہیں کر سکتی تھی، بروقت اسے بہانہ سوچ گیا اور بھرم رہ

گیا۔

نمر اور صالحہ پریشان تو ہوئیں مگر اس کو دلاسا دیا کہ اللہ مالک ہے، پریشانی سے رات کو اسے تیز بخار ہو گیا جو کہ تین دن گزرنے کے بعد بھی کم نہ ہوا تھا، علی کو پتہ چلا تو دوڑا آیا۔  
 ”تمہیں بخار تھا، بتایا کیوں نہیں؟“ مان بھرا شکوہ کیا۔  
 ”تم ڈاکٹر ہو جو تمہیں بتاتی۔“ مومنہ چڑ گئی۔  
 ”تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا۔“ علی نے اس کے زرد چہرے کو بغور دیکھا۔  
 ”میں امی کے ساتھ چلی گئی تھی۔“ مومنہ نے بتایا۔  
 ”تم جاب کے ختم ہونے پر اتنی پریشان کیوں ہو؟“  
 ”کیا نہیں ہونا چاہیے؟“ الٹا اس سے سوال کیا۔  
 ”نہیں۔“ علی اطمینان سے بولا۔

”مومنہ! تم مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرو میں تمہارا بچپن کا دوست ہوں، خالہ زاد ہوں، غیر نہیں ہوں۔“ علی اس کی اتاری ہوئی شکل دیکھ کر بے چین ہو گیا تھا، حسین چہرے پہ گلاب مر جھا گئے تھے۔  
 ”چائے پیو گے؟“ مومنہ نے بات کو گھمانے کی کوشش کی تھی۔  
 ”مومنہ! مجھے بتاؤ میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ علی نے سخت لہجہ اختیار کیا۔  
 ”علی! تم جانتے ہو، سب حالات سے واقف ہو، ہم گھر میں تین افراد ہیں، زندہ رہنے کے لیے ضرورت زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے، ایسے میں جاب کے جانے سے پریشانی لازمی ہے۔“  
 ”مومنہ! تم جاب مت کرو، امی تمہیں ہر مہینے اتنے پیسے دے سکتی ہیں جس سے تمہارے ماہانہ اخراجات آسانی سے پورے ہو سکیں۔“ علی نے مشورہ دیا۔

”علی!“ مومنہ کی خودداری کو عزت نفس کو دھچکا لگا تھا، شدید صدمہ پہنچا تھا۔  
 ”میری عزت نفس کو یہ گوارا نہیں ہے، اگر تم یہ چاہتے ہو ہمارا رابطہ قائم رہے، آئندہ ایسی بات مت کرنا۔“ مومنہ نے دو ٹوک انداز میں کہا اور غصے سے کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔  
 ”مومنہ! پلیز ٹیٹھو تو سہی، میری بات سنو..... مومنہ!“ علی پریشانی سے خود بھی کھڑا ہو گیا اور دور جاتی مومنہ کے بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

پھر مومنہ نے ماہین کی مدد سے ایک سکول میں جاب کر لی۔  
 سبلی صرف تین ہزار تھی، وقتی طور پر اس جاب کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اسکول میں پہلا دن توقع کے عین مطابق اچھا ہی گزرا، میڈم کا انداز مشفقانہ تھا تو اسٹاف کا دوستانہ، پرنسپل خاور صاحب پینتالیس برس کے سخت گیر انسان تھے۔

یہ ایک درمیانے درجے کا تنگ گلیوں میں کھلنے والا سکول تھا، بچوں کی تعداد کثیر تھی، وہ بہت محنت، ایمانداری اور خلوص نیت سے فائیکلاس کے بچوں کو پڑھاتی تھی، اپنے شاگردوں اور اساتذہ میں بہت جلد اس نے اپنے حسن سلوک سے مقبولیت حاصل کر لی تھی۔

شاگردوں اور اساتذہ سے ملنے والی عزت و اہمیت سے اسے بہت خوشی ہوتی تھی، سارا دن ایک خوش کن احساس اس کے گرد گھیرا تنگ کیے رہتا، اس کی کلاس کا ہر ایک بچہ اس کے پاس ٹیوٹن پڑھنے کا خواہش مند تھا، دیکھتے ہی دیکھتے اس کے گھر کا مچن بچوں سے بھر گیا تھا، یہ غریب محلے سے تعلق رکھنے والے بچے تھے، جن سے وہ پانچ ہزار ہی کماسکتی تھی، اب ماہانہ آمدنی صرف آٹھ ہزار روپے تھے، تین ہزار سکول اور پانچ ہزار ٹیوٹن کے۔

نمر گھر میں سلائی بہت عمدہ کرتی تھی، مگر وہ ہی مسئلہ محلے والے بھی ان کی طرح غریب تھے، نمر کے ہاتھ کی صفائی اور ڈیزائننگ کو بہت سراہا جاتا تھا، تین چار ہزار نمر ابھی مہینے میں بنای لیتی تھی، گوکہ ماہانہ آمدنی گیارہ بارہ ہزار ہی تھی، مگر عزت محفوظ تھی۔

وہ تینوں صبر و قناعت سے مالا مال تھیں، دلوں میں سکون تھا۔

ان ہی دنوں خاور صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا، تین دن سکول بند رہا لیکن ٹیوٹن کے بچے متواتر آتے رہے تھے، بچوں کو پڑھانا اچھا خاصا ڈنٹی تھا ان کا کام تھا مگر مومنہ بہت خوشی سے اور محبت سے پڑھاتی تھی، صالحہ اپنی بیٹی مومنہ کو دیکھتی تو ناز کرتی دل سے اس کے اچھے نصیب کے لیے صبح و شام دعا کرتی۔

ایک فنکشن میں اسے بیسٹ ٹیچر کا ایوارڈ ملا تھا، انعام ملا، یہ انعام ایک ایوارڈ ایک عدد تعریفی سرٹیفکیٹ اور پانچ ہزار نقد کیش پر مشتمل تھا، ایوارڈ والا انعام وصول کرتے وقت اس کی آنکھیں نم تھیں۔

اسے اپنے ابوشدت سے یاد آ رہے تھے، اسے لگا اس کے ابو یہیں کہیں اس کے آس پاس کھڑے مسکرا رہے ہیں، اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہے ہی، اس کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔

آج کا دن بہت اچھا تھا، مومنہ رات میں بے حد سکون سے سوئی تھی، مومنہ بے حد مطمئن تھی مگر یہ اطمینان عارضی تھا ایک اور آزمائش اس کی منتظر تھی، مومنہ اس سے بے خبر تھی۔

☆☆☆

کچھ دن سے خاور صاحب کی نگاہیں اسے عجیب محسوس ہو رہی تھیں، مگر وہ سمجھتے ہوئے اس نے جھٹک دیا تھا، خاور صاحب کے سکول میں پڑھاتے ہوئے اسے چھ ماہ کا وقت ہوا تھا، وہ ہمیشہ بہت شرافت سے پیش آتے تھے، مومنہ کی عزت کی تھی اور حوصلہ افزائی۔

”مس مومنہ! آپ اسمبلی کے بعد میرے آفس میں آئیے گا۔“ خاور صاحب کہہ کر چلے گئے تھے۔

”سر خاور تمہاری محنت اور دیانت داری سے بہت خوش ہیں۔“ مس سلمیٰ مسکرائی تھی، مومنہ دھیمے سے مسکرائی۔

”تم بہت اچھی اور محنتی اور حسین لڑکی ہو۔“ سلمیٰ نے صاف دل سے اسے سراہا تھا۔

”میرا کوئی بھائی کنوارا ہوتا تو میں تمہیں بھابھی بناتی۔“ سلمیٰ مزید بولی تھی تو وہ مسکرا دی۔

اسمبلی ختم ہو گئی تھی، بچے کلاسز میں جا رہے تھے۔

”بھانے سر خاور کو کیا بات کرنی ہے؟“ مومنہ نے آفس کی طرف جاتے ہوئے سوچا تھا، سر خاور ٹیبل سے ٹیک

لگائے کھڑے تھے۔ وہ اجازت لے کر اندر آئی تو انہوں نے اشارے سے بیٹھنے کا کہا تھا لیکن وہ متذبذب سی کھڑی رہی۔

”جی سر!“

”بیٹھیے مس مومنہ جاوید۔“ وہ بیٹھ گئی تھی۔

”مس مومنہ! آپ ہمارے سکول کی سب سے ہر دلعزیز، محنتی، بااخلاق بچہ ہیں، آپ کے آنے سے ہمیں ہمارے سکول کو بہت فائدہ ہوا ہے۔“ وہ ٹیبل کے پاس سے اس کی چیمڑ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔“

”سرا! یہ میرا فرض ہے۔“ مومنہ نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

”ٹھیک ہے، لیکن لوگ کہاں اپنا فرض سمجھتے ہیں۔“ انہوں نے جیسے بے دھیانی میں اپنا ہاتھ کرسی کے ہتھے پہ رکھا

تھا۔

مومنہ کو ان کے قریب آ کر بات کرنے سے الجھن ہو رہی تھی، لیکن ان کی عمر کی وجہ سے وہ کوئی بدگمانی نہیں رکھ رہی تھی۔

”مس مومنہ! مجھے آپ کے فیملی کے کرائس کا پتہ چلا ہے، مجھے بہت دکھ ہوا ہے، مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔“

”سرا! آپ کو کس نے بتایا ہے؟“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ایسی باتیں کہاں چھپی ہیں مس، میں جانتا ہوں یہ جاب آپ کا شوق نہیں ضرورت ہے۔“ مومنہ کو ان کی ہمدردی اچھی نہیں لگی۔

”آپ کو کسی بھی مدد کی ضرورت ہو، بلا جھجک مجھ سے کہیے۔“

”تھینک یو سرا!“ مومنہ نے جان چھڑا کر

”میں اب جاؤں سرا!“ مومنہ نے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔

”مومنہ!“ انہوں نے والٹ سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

”اپنے لیے لان کے دو سوٹ بنوا لینا، تمہارے کپڑے پرانے اور اولڈ فیشن ہیں۔“

مومنہ کی خودداری اور عزت نفس کی پامالی کو کچھ کے لگائے، مومنہ تڑپ ہی تو گئی تھی۔

”سرا! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ آپ مجھ سے پلیز ایسی بات مت کیجیے گا، میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں۔“ مومنہ نے غصے سے تلخ انداز میں کہا تھا۔

”مس مومنہ! آپ برا مان رہی ہیں، میں آپ کی مدد.....“

”مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

سرخادر اس کی پشت کو گھورتے ہوئے گہری سوچ میں مبتلا ہو گئے تھے مومنہ کی کلاس میں غائب دماغی بچوں نے بھی نوٹ کر لی تھی۔

”مس! آپ کے سر میں درد ہے؟“ لائبہ نے معصومیت سے پوچھا۔

”جی بیٹا! وہ بمشکل مسکرائی۔“

”مس! آپ چھٹی لے کر گھر چلی جائیں۔“ اسد نے مشورہ دیا۔

مشورہ برا نہیں تھا، آج واقعی پڑھانا بہت مشکل کام تھا، دل یہی چاہ رہا تھا، یہاں سے دور بھاگ جائے، مگر چھٹی لینے کے لیے سرخادر کے پاس جانا ضروری تھا، جو مومنہ کو گوارا نہیں تھا۔



”مس! چائے پیس گئی میں ماسی سے کہہ دیتا ہوں وہ بنا لے گی۔“ زوہیب نے ہمدردی سے کہا، بچوں کی محبت اس کی آنکھیں نم کر گئی تھیں۔

”بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہیں ہو۔“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے بچوں کو دلا سہ دیا۔

”مس! رات میں نے جو مووی دیکھی تھی، اس میں سنڈریلا آپ جیسی پیاری تھی۔“ ایٹال نے رشک سے کہا

تھا۔

مومنہ کے لیے یہ خوبصورتی محض آزمائش بن رہی تھی، اسے اس خوبصورتی کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن گھر میں باپ، بھائی کا تحفظ نہ ہونے کی بنا پر اس کے لیے آزمائش بن گیا تھا، گھر آ کر بھی وہ بے حد ڈسٹرب رہی تھی، ساری رات جاگتی رہی تھی، صبح کے قریب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

آج پہلی مرتبہ وہ سکول سے لیٹ ہو رہی تھی۔

”نمرا! تم نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟“ وہ خفا لگ رہی تھی۔

”میں نے تمہیں جگایا تھا مگر تم پھر سو گئی ہو گی۔“ نمرا نے بتایا۔

صرف چائے کا کپ پی کر وہ گھر سے نکلی تھی، سکول پہنچی تو اسہلی ختم ہو رہی تھی، ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔

”مس مومنہ! آپ میرے آفس آئیے گا۔“ سرخاورد نے کہا۔

مومنہ مرے مرے قدموں سے آفس آئی تھی۔

”بیٹھیے مس مومنہ“ سرخاورد مسکرائے تھے۔

”کوئی پریشانی ہے تو بتائیے، مت چھپائیے، ہم آپ کے اپنے ہیں۔“ انتہائی بھونڈے انداز میں شوخی سے

بولے۔

”سر! میں نے کل بھی آپ سے کہا تھا، آج دوبارہ کہہ دیتی ہوں، میرا گھر میرا پرنسلی میٹر ہے، میں کسی شخص سے ڈسکس نہیں کروں گی، نہ ہی کسی اور کو ذاتی معاملات میں مداخلت کی اجازت دوں گی۔“ مومنہ نے غصے سے کہا تھا۔

”مس مومنہ!“ وہ قدرے غصے سے بولے تھے۔

”ہمارے سکول کے کچھ اصول ہیں، اس کی پاسداری ہر ٹیچر پر لازم ہے۔“

”سر! میں نے ہمیشہ ڈسپلن کا خیال رکھا ہے۔“ مومنہ دوبارہ بولی۔

”آپ آج لیٹ آئی ہیں کیوں؟ جب کہ آپ کو وقت کی پابندی کا احساس ایسا ٹیچر زیادہ ہونا چاہیے۔“

”سوری سر! میں صرف آج پہلی مرتبہ لیٹ ہوئی ہوں، آئندہ خیال رکھوں گی۔“ مومنہ نے معذرت کی۔

”آپ ایک غیر ذمے دار لڑکی ہیں، یہ سکول تعلیمی درس گاہ ہے، یہاں تفریح اور وقت گزاری کے لیے مت آیا

کریں۔“ انہوں نے طنز کیا۔

”سر! کل تک تو آپ میری ذمے داری کی تعریف کیے نہیں تھک رہے تھے، آج کیا ہو گیا، ایک دن میں میرے

اندر سب نقص نظر آنے لگے؟“ مومنہ نے تپ کے جواب دیا۔

”مومنہ! ان کی آنکھوں میں شیطانی چمک لہرائی تھی۔“

”میں تمہارے حسن کا قدر دان ہوں، حسن میری کمزوری ہے اور پیسہ تمہاری ضرورت ہے، مجھ سے دوستی کر لو،

پیسے کا انبار لگا دوں گا، جتنے پیسے تم مہینے میں کماتی ہو، اتنے پیسے صبح و شام تمہاری نظر اتارنے میں لگا دوں گا۔“

ذلت کے احساس سے مومنہ کی زبان گنگ ہو گئی، بے یقینی سے آنکھیں پھاڑیں سرخاؤر کے مکروہ چہرے کو دیکھ رہی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے، اپنی بے بسی پتاؤ آ گیا، خود پہ غصہ آ گیا۔  
پھر جو اس کے منہ میں آیا وہ بولتی چلتی گئی اور سکول سے باہر آ گئی، کبھی نہ واپس آنے کے لیے، ایک مرتبہ پھر وہ بے بسی سے گھر آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اماؤس کی تاریکی کچھ اور بڑھ گئی تھی، یہ تاریکی اس کی زندگی پہ چھا رہی تھی، اس نے رات کے اندھیرے میں آئینہ کے لیے کوئی روشن درپچہ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مگر تاریکی میں صرف تاریک مستقبل نظر آ رہا تھا۔  
اس دنیا میں صرف اللہ پاک ہی کے بھروسے وہ معاشی حالات کے سبب نکل جاتی تھی، صرف وہ ہی اس کی عزت کا رکھوالا تھا، ورنہ ہر کوئی اس کی عزت کا دشمن بنا ہوا تھا، بدنامی اور رسوائی کا عفریت منہ پھاڑے اسے ننگے کوتیار بیٹھا تھا۔

اسکول کی جاب کیا چھوٹی، سرخاؤر نے بچوں کے والدین کو نجانے کیا کہانی سنائی، بچے رفتہ رفتہ ٹیوشن سے بھی فارغ ہو گئے، وہ کہیں اور جاب تلاش کرنے لگی، اسے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پہ ایک فیکٹری میں جاب مل رہی تھی، مگر اکیلے دو بیس بدل کر آتے آتے اسے رات ہو جاتی، محنت سے وہ نہیں گھبراتی تھی، فیکٹری میں ورک زیادہ مگر تنخواہ کم تھی، اس نے حساب لگایا، تین ہزار تو محض، بسوں کا کرایہ بن رہا تھا، باقی چار ہزار میں وہ مہینے میں ایک وقت کا کھانا بھی روزانہ نہیں کھا سکتے تھے، یا سر بھائی بھی سودیہ سے آ گئے تھے، نمرا کے سسرال والے شادی کا ارادہ کیے بیٹھے تھے، یہاں نوبت فاقوں پہ آ گئی تھی، پرانے بدرنگ کپڑوں اور بوسیدہ جوتوں کے ساتھ وہ جاب پہ جاتی تھی، ایسے میں نمرا کے لیے جہیز اکٹھا کرنا، ستارے توڑ کے لانے کی طرح ناممکن تھا۔

مومنہ نے محسوس کیا، شادی کے مطالبے پر امی بے حد پریشان ہیں، بہت اداس رہنے لگی تھیں، ماموں کو فون کر کے بتایا تو مرنے سے مفت مشورہ دیا کہ سادگی سے نکاح کر کے اس کو رخصت کر دو، صالحہ بیگم کا دل بری طرح ٹوٹا تھا، اس نے محض مشورے کے لیے فون کیا تھا۔

کچھ دن مزید گزرے گھر میں سودا سلف ختم، گھر کے تینوں نفوس غمزدہ اور پریشان۔

صبح اٹھ کے مومنہ دوست ماہین کی بتائی ہوئی جاب فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں جاب کے لیے آمادہ تھی، اب بھی نہ جانی تو نجانے کیا حال ہوتا۔

رشتے داروں کی بے حسی اسے آج تڑپا رہی تھی مگر دل میں ان سے مدد مانگنے کا خیال نہیں تھا۔

فاسٹ فوڈ میں آ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا اسے یہاں صرف اس کی خوب صورتی کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔

جلد ہی وہ یہاں کے ماحول سے اکتا گئی، ریسٹورنٹ کے مالک عبدالغفار شریف انفس انسان تھے، مگر آنے والے میل کسٹمر ہرگز شریف نہیں تھے، کسٹمر بڑے لینے آتے تو نوخیز معصوم حسن کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے، اس کیساتھ دولڑکیاں مزید تھیں مگر ان میں مومنہ ہی سب کی توجہ کا مرکز تھی۔

سیلری یہاں پندرہ ہزار تھی، رات کا کھانا بھی ملتا تھا، مگر وہ کبھی بھی کھانا وہاں نہیں کھاتی تھی، بیک کر کے گھر لے آتی تھی، تینوں رات کا کھانا مل کے گھر میں کھاتیں، اس طرح ان کے گھر میں رات کے کھانے کی بچت بھی ہو گئی تھی۔

مومنہ نے گھر میں امی کو اپنے کام کی نوعیت نہیں بتائی تھی، وہ سادہ خاتون تھی، مومنہ نے بتایا کہ وہ آفس میں کیش کا کام کر رہی ہے، انہوں نے یقین کر لیا تھا، مگر اکوالتہ بیچ پڑ گیا تھا۔

مومنہ روزانہ اخبار میں نئی جاب کے لیے اشتہار دیکھتی، وہ اس جاب سے خوش نہیں تھی، اتنے لوگوں کی نظروں میں آنا اسے سخت برا لگتا تھا۔

ان ہی دنوں وہ رورو کر گڑ گڑا کے دعا مانگتی تھی کسی باعث جاب اور ماحول کی، ایک دن ایڈ پڑھا ڈیفنس میں ایک امیر وکیر تنہا عورت کو ایک خدمت گار پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت ہے، تنخواہ بیس ہزار، مومنہ نے نمبر نوٹ کیا، گھر آ کر فون کیا، ایڈریس لیا اور دوسرے دن ہی پہنچ گئی تھی، اب اسے تنہا آتے جاتے ڈر نہیں لگتا تھا، اس میں اعتماد آ گیا تھا۔

چوکیدار نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا، وہ جنگلے کے ظاہری حسن سے بے نیاز میڈم کا انتظار کر رہی تھی، آج اسے ابو بہت یاد آرہے تھے، اس کے لبوں سے سسکاری نما آواز نکلتی تھی، چند سرکش آنسو گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

”عورت کا مطلب ہے چھپی ہوئی چیز، لہذا جتنا چھپ کر رہے گی، اتنی ہی اہم بامسمیٰ ہوگی۔“

ابو کی بات اسے یاد آئی، وہ دل ہی دل میں ابو سے بے حد شرمندہ ہوئی۔

”سوری ابو میں بے حد مجبور تھی۔“ مومنہ نے دل ہی دل میں معذرت کی تھی۔

اتنے سارے لوگوں کی بد نظری سہنے سے بہت بہتر تھا ایک بنگ گھر میں ایک تنہا عورت کے ساتھ کام کیا جائے۔

سائرہ بیگم نے ڈرائنگ روم میں اندر داخل ہوتے ہوئے بہت حیرانی سے مومنہ کو دیکھا تھا، اس پل مومنہ نے

بھی جھکے سر کو اٹھایا اور پھر سائرہ میڈم کو دیکھ کر احتراما کھڑی ہو گئی۔

میڈم سائرہ ایک ٹک اس کی حسین بھیگی بھیگی آنکھوں اور نرم پلکوں پہ اٹکنے شبنمی قطروں کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ لڑکی بلاشبہ بہت خوبصورت تھی، سائرہ نے ایک مرتبہ پھر مومنہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا، مومنہ اب سرعت سے دو دھیانا نازک ہاتھوں سے آنکھیں اور گال پونچھ رہی تھی۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ سوال بہت نرمی سے کیا تھا۔

”مومنہ جاوید۔“ وہ انگلیاں ملتے ہوئے آہستگی سے بولی تھی۔

”پڑھی لکھی لگتی ہو؟“ انہوں نے قیاس کیا۔

”جی میں بے اے فاضل ایئر میں چھوڑا تھا۔“ مومنہ نے افسوس سے کہا۔

”پہلے کہیں کام کیا ہے؟“ اس دوران ملازمہ ٹیبل پہ جوس رکھ گئی۔

”جی، میڈیسن کمپنی، سکول اور اب فاسٹ فوڈ پہ جاب کر رہی ہوں۔“ مومنہ نے سادگی سے جواب دیا۔

”تمہارے پاس تو جاب ہے، یہاں آنے کی وجہ؟“ سائرہ میڈم نے حیرت سے سوال کیا تھا۔

”میڈم! میں وہاں کے ماحول سے مطمئن نہیں ہوں۔“ مومنہ نے جھکتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا کام کر سکتی ہو؟“

”سارے کام کر سکتی ہو۔“

”اچھی گفتگو بھی کر سکتی ہوں؟“ سائرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی۔“ مومنہ نے حیرانی سے جھکا ہوا سراٹھایا۔

”میرا مطلب ہے کہ تم میرے ساتھ باتیں دوستوں جیسی کرو گی۔“ میڈم سائرہ نے اس کی حیرانی دور کرنی چاہی۔ مومنہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھتی رہی۔

”جی۔“ مومنہ نے حیرت چھپاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، کل سے کام پہ آ جانا، کل تمہیں تمہاری ڈیوٹی بتادی جائے گی، اب تم جاسکتی ہو۔“ سائرہ میڈم نے

کہا۔

مومنہ حیران پریشان سی اٹھی اور پھر گھر آنے تک مسلسل سائرہ میڈم کے متعلق سوچتی رہی، یہاں سے وہ فاسٹ فوڈ گئی، اپنے پاس کو جاب چھوڑنے کا بتایا اور اب تک کی سیری لے کر گھر واپس آ گئی۔

”مومنہ! آج بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو؟“ امی نے اس کے تھکے تھکے چہرے کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

”امی! میں نے ریسٹورنٹ کی جاب چھوڑ دی ہے۔“ مومنہ نے آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کے

بتایا، امی خاموش رہی۔

”امی! میں ایک خاتون کے پاس جاب کرنا چاہتی ہوں، وہ تنہا بیوہ خاتون ہے، ڈیفنس میں رہتی ہیں، انہیں ایک پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت ہے، جو ملازمین سے کام کروا سکے۔“ مومنہ نے بتایا، امی کے دل پہ بوجھ آن پڑا تھا، حالات انہیں اس مقام پہ لے آئے تھے وہ اپنی معصوم بیٹی کو نہ روک سکتی تھی اور دل سے اجازت بھی نہیں دے سکتی تھی، امی پریشان ہو کر چپ ہو گئی تھیں۔

”امی..... میری پیاری امی! آپ پریشان مت ہوں، امی ریسٹورنٹ کا کام بہت تھکا دیتا ہے، یہ اب والا کام

ٹھیک رہے گا، آپ کچھ مدت سوچے سب ٹھیک ہے۔“ مومنہ نے ان کے ہاتھ تھام کر ہلکے ہلکے انداز میں کہا۔

”بیٹا! اگر خاندان والوں کو پتہ چل گیا تو نجمانے کیا سمجھیں گے۔“ امی نے خدشہ ظاہر کیا۔

”امی! لوگوں کی پروا مت کریں، انہیں نہیں پتہ چلے گا۔“ نمرانے دلاسا دیا، امی لیکن مطمئن نہیں ہو سکیں تھیں۔

دن بارہ بجے سے رات آٹھ بجے تک اسے سائرہ میڈم کے پاس رہنا ہوتا تھا، جیلہ ملازمہ نے اسے بتایا تھا، وہ

سائرہ میڈم کو اخبار پڑھ کر سنایا کرے گی، ان سے باتیں کیا کرے گی، ان کا بی پی چیک کرے گی، انہیں مختلف بیماریاں بھی

تھیں، ان کی میڈیسن کا ٹائم یاد رکھا کرے گی، یہ کام مشکل تھا اور نہ تکلیف دہ۔

میڈم سائرہ پچاس سال کے قریب بھاری بھر کم سراپے کی خاتون تھیں، میڈم سائرہ میں غرور اور خزعہ بالکل بھی

نہیں تھا، وہ سادہ مزاج کی مالک تھیں، وہ کافی باتونی تھیں، مومنہ سے ان کی بہت جلد دوست ہو گئی تھی، وہ مومنہ سے کافی

لگاؤ کا اظہار کرتی تھیں، جس ٹائم مومنہ ان کے ساتھ ہوتی تھی، ان کا ماننا تھا وہ وقت ان کے لیے بہت خوشگوار ہوتا تھا۔

ان کے شوہر بڑے جاگیردار تھے، ان کی دو شادیاں تھیں، انہوں نے شہر میں سائرہ میڈم سے شادی کی تھی اور

گاؤں میں اپنی تایا زاد سے ان کی دوسری شادی تھی، دوسری بیوی سے ان کے تین بچے تھے، میڈم سائرہ سے ان کا ایک ہی

بیٹا تھا۔

سائرہ میڈم سے ان کی محبت کی شادی تھی، آج سے دس برس قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

”ان کے جانے کے بعد میں تنہائی کا شکار ہو گئی ہوں، وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے۔“ ان کی آنکھیں نم

ہونے لگی تھیں۔

”آؤ میں تمہیں عمر ولید کی تصویر دکھاتی ہوں۔“ انہوں نے نشو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور پھر اسے اپنے بیڈروم میں آنے کا اشارہ کر کے چلی گئیں، مومنہ پہلی مرتبہ ان کے بیڈروم میں آئی تھی۔

سامنے دیوار پر عمر ولید کی تصویر جلوہ افروز تھی، تصویر میں دل موہ لینے والا، سامنے والا کیا شخصیت رکھتا تھا، مومنہ جیسے گرد و پیش کو بھول کر دیکھ گئی، بس ایک لمحہ اس کے بعد مومنہ بے نیاز ہو گئی تھی۔

”عمر ولید کو ذہانت اور حسن وراثت میں ملا ہے، عمر ولید امریکہ گیا ہوا ہے، تین ماہ کے لیے میں اسے بے حد یاد کرتی ہوں، وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور میرا بے حد خیال رکھتا ہے، عمر ولید کی دوسری امی کی تین بیٹیاں ہیں، بیٹا نہیں ہے، اس کی عادتیں مزاج سب سے مختلف ہے، اس کے خاندان میں عمر ولید جیسا کوئی بھی نہیں ہے، گوئٹھ میں سب اس کو پسند کرتے ہیں، دیوانے ہیں لوگ، اس کے گاؤں والوں کی خواہش ہے کہ عمر ولید سیاست میں آجائے مگر اسے سیاست سے خدا واسطے کا بیر ہے، البتہ گاؤں میں ترقیاتی کام کیے ہیں اس نے، لیکن آج کل بے حد مصروف ہے، عمر انڈسٹریز دن دو گئی رات چو گئی ترقی کر رہی ہے، اپورٹ ایکسپورٹ کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔“ سائرہ بیگم بے حد جوش سے بتا رہی تھیں، مومنہ عمر نامہ سن کر بورہوری تھی مگر وہ اس کی میڈم تھی، سننا ضروری تھا۔

”میری بھانجی ہے روبی اچھی لڑکی ہے، میں چاہتی ہوں عمر ولید اس سے شادی کر لے، وہ امریکہ میں ہی پٹی بڑھی ہے، اب میرے بہنوئی یہاں آ گئے ہیں، یہاں قریب ہی ان کا گھر ہے، بہن میری فوت ہو گئی ہے، میں نے کہا، عمر آجائے تب ہی جواب دوں گی۔“ میڈم سائرہ مسکرائیں۔

”میڈم ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو جائے گا، آپ کی تنہائی دور ہو جائے گی، آپ کی بھانجی ہے، آپ کا خیال بھی رکھے گی۔“ مومنہ نے نیک نیکی سے کہا۔

اتنے میں ان کے موبائل پہ بیل ہوئی، عمر ولید کا نام دیکھ کر ایک خوشگوار احساس سائرہ بیگم کے اندر اتر آیا۔

”بڑی عمر ہے بیٹی ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی۔“ انہوں نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔

”مومنہ سے کر رہی تھی، میں نے بتایا تھا ناں تمہیں، بڑی اچھی ہے نیک سیرت لڑکی ہے، میرا بہت خیال کرتی ہے، میں بالکل بھی بور نہیں ہوتی اور صورت اتنی پیاری کے دیکھ کر بیماری دور ہو جائے۔“ قہقہہ لگا کر انہوں نے زندہ دلی سے کہا، مومنہ جھینپ گئی اپنی تعریف پہ اور کمرے سے باہر آ گئی۔

”میڈم بھی نہ خواہ مخواہ تعریف کیے جا رہی تھیں۔“ مومنہ نے بے زاری سے سوچا تھا۔

مغرب کی اذان پہ وہ سر جھٹک کر اذان سننے لگی، اذان کے بعد نماز پور پھر ساڑھے سات بجے میڈم کھانا کھاتی تھی، ساتھ میں اصرار کر کے مومنہ کو بھی کھلاتی، مومنہ بے حد شرمندہ ہوتی، مگر میڈم کی محبت کے آگے بے بس ہو جاتی، میڈم کھانا کھا کے دوائی لیتی اور آٹھ بجے مومنہ کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی اور وہ گھر چل پڑتی۔

☆☆☆

تمہیں پتہ ہے، میں سارا دن بورہوتی ہوں۔ آج چھٹی تھی اور وہ گھر پر ہی تھی، نمرانے خنگی سے کہا۔

”کیا کروں، میری ٹائمنگ ہی ایسی ہے، خیر ان کا بیٹا عنقریب آنے والا ہے، وہ آجائے گا اس کے بعد میڈم کی تنہائی ختم ہو جائے گی، پھر میں شاید جاب چھوڑ دوں کیونکہ ہو سکتا ہے میڈم کو میری ضرورت نہ رہے۔“ مومنہ بولی۔

لوگ نیا ماحول۔“ نمرا کورنج ہوا۔

”خیر اللہ مالک ہے، تم پریشان مت ہو،“ مومنہ نے محبت سے اپنی عزیز جان بہن کو دیکھا۔

”مومنہ! میں نے تمہارے لیے نیا سوٹ لیا ہے۔“ مومنہ نے جھٹ الماری کھول کر اسے سوٹ دکھایا، سوٹ بہت خوبصورت تھا، سلائی بہت عمدہ تھی۔

”یہ کب لیا؟“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”میں اور امی بازار گئے تھے تب، مجھے تمہارے لیے پسند آ گیا،“ نمرا نے بتایا۔

”میرے لیے لینے کی کیا ضرورت تھی، تم اپنی شادی کی تیاری کرو۔“ مومنہ نے ناراضی سے کہا۔

”تم جاب پہ جاتی ہو، تمہاری میڈم اتنی امیر خاتون ہے، تمہارے پاس اچھے کپڑے ہونے چاہئیں۔“ نمرا معصومیت سے بولی، تو مومنہ مسکرا دی۔

”میڈم امیر ہے تو کیا ہوا، لباس سے بھلا کیا ہوتا ہے۔“ مومنہ بولی۔

”لباس اچھا نہ ہو تو دنیا بد حال سمجھ کر اہمیت دینا چھوڑ دیتی ہے۔“ نمرا افسردگی سے بولی۔

”تم لباس کے معاملے میں اتنی کانٹش کیوں ہو رہی ہو خیریت؟“ مومنہ چونکی۔

”سو فیصد خیریت ہے۔“ نمرا مسکرائی۔

اتنے میں امی بھی آ گئیں۔

”امی! آج کیا بناؤں؟“ نمرا نے ابھرنے سے پوچھا۔

”مومنہ سے پوچھ لو، جو مومنہ کا دل چاہے۔“ امی نے جواب دیا۔

”میں مہمان تھوڑی ہوں، خیر دال چاول بنا لو۔“ مومنہ نے مسئلہ حل کیا۔

”بال دیکھے ہیں اپنے کتنے خشک اور بے رونق ہو رہے ہیں“ امی نے مومنہ کے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن تمہارا بھی کیا قصور، میں بالوں کو کہہ رہی ہوں، تمہاری تعلیم چھٹ گئی، تم کتنی شوقین تھی پڑھنے کی، گھر کی

پوری ذمہ داری تم نے خاموشی سے بنا کسی کے کہے خود پہ لے لی، تم بیٹی نہیں مجھے بیٹا لگتی ہو، اگر میرا کوئی بیٹا بھی ہوتا، تمہاری

عمر کا تو وہ بھی شاید اتنا سمجھدار اور ذمہ دار نہ ہوتا، جیسا تم نے ان حالات میں ثابت کیا ہے۔“ امی کی آنکھیں نم ہو گئیں، وہ

بے حد جذباتی ہو گئی تھیں۔

”امی ٹھیک کہتی ہیں مومنہ، اگر تم یہ سب نہ کرتی تو نجائے ہم کیا کرتے۔“ نمرا کی آنکھوں میں مومنہ کے لیے

تشکر تھا۔

”امی! آپ ایسا کچھ مت سوچا کرو، میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے، نمرا تم بھی آئندہ کوئی فضول بیٹ مت

کرو۔“ مومنہ خفا ہوئی۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اتنے میں علی آ گیا وہ جانتا تھا، آج مومنہ گھر ہوگی۔

”کچھ نہیں..... تم سناؤ؟“ مومنہ نے دوپٹہ پھیلا کر لیا۔

”اتنا تیل کیوں لگایا ہوا ہے؟“ علی نے پوچھا۔

”جواب کی وجہ سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی، آج گھر ہوں تو امی نے خوب مساج کیا ہے۔“ مومنہ سادگی سے

بولی تھی۔

”مومنہ! تم سے ایک ضرورتی بات کرنی تھی۔“ علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، اس وقت وہ رف حلیے میں بھی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

مومنہ کی چھٹی حس کہنے لگی علی صاحب پر رومانس کا بھوت سوار ہونے لگا ہے، عافیت اسی میں ہے کہ وہ یہاں سے چلتی پھرتی نظر آئے۔

”علی تم ٹھہرو میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ وہ بہانہ بنا کر چلی گئی تھی، علی بے چارگی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

”مومنہ! بنا لو بہانے ایک دن تمہیں میری پناہ میں آنا ہوگا۔“ علی نے سوچتے ہوئے خود کو دلا سہ دیا۔

☆☆☆

”مومنہ! یہ تمہارے لیے ایک چھوٹا سا گفٹ ہے۔“ میڈم ساہو نے اسے ڈبہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

”مگر کیوں میڈم، اس کی کیا ضرورت ہے؟“ مومنہ جھجکی۔

”مومنہ! تم میرا اتنا خیال رکھتی ہو، کیا میں تمہیں کوئی گفٹ بھی نہیں دے سکتی۔“ وہ الٹا ناراض ہوئیں۔

”نہیں..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ مومنہ انکی۔

”تم مجھے اپنا نہیں سمجھتی، جب کے حقیقت میں، میں تمہیں اپنوں کی طرح چاہتی ہوں تم نے جس محبت سے فکر سے میری کیئر کی ہے اور سب سے قیمتی چیز جو تمہارے پاس ہے وہ وقت ہے، تم نے جو وقت دیا ہے میں تمہاری احسان مند ہوں۔“ وہ ممنون نظر آ رہی تھیں، مومنہ بے حد شرمندہ ہوئی۔

”میڈم! یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے جو آپ ایسا سمجھتی ہیں، یہ آپ کا بڑا پن ہے۔“

”یہ لو۔“ انہوں نے فوراً ڈبہ آگے کیا، مومنہ نے آنکھیں سے ہنسی سے تھا۔

”کھول بھی لو، ایک تم بھی ناں بس۔“ میڈم نے ڈانٹا مومنہ نے ڈبہ کھولا اور اندر بے حد خوبصورت موبائل تھا۔

”اس کی کیا ضرورت تھی؟“ مومنہ موبائل فونز کے متعلق نہیں جانتی تھی مگر پھر بھی انداز ہو رہا تھا یہ موبائل مہنگا

ہے۔

”موبائل سائنس کی بہترین ایجاد ہے اور یہ آج کل ہر انسان کی ضرورت بن گیا ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”لیکن میڈم مجھے موبائل فون کی کیا ضرورت ہے، نہ ہی مجھے کسی کو کال کرنی ہوتی ہے اور نہ ہی میری فریجنڈز

ہیں۔“ مومنہ ابھی تک تذبذب کا شکار تھی۔

”سب باتیں ٹھیک ہیں بیٹا لیکن میں اب تم سے باآسانی کامیٹ کر لیا کروں گی، فائدہ ہی ہوگا، تمہیں اس کا

نقصان نہیں ہوگا۔“ انہوں نے کہا۔

وہ کہنا چاہتی تھی سارا دن تو میڈم میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں، مجھ سے فون پر رابطہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی

مگر سوچ کے رہ گئی، اس کی بحث سے میڈم کا دل دکھ سکتا تھا، جبکہ یہ سچ تھا وہ مومنہ سے مخلص تھیں، وہ مومنہ کی اتنی کم عمری

میں خودداری، سمجھداری سے بہت متاثر تھی، ان کا خیال بے حد دل سے رکھا کرتی تھی، مومنہ کے لیے ان کے دل میں نرم

کوشہ تھا۔

”آج مجھے اپنی بہن کے گھر جانا ہے، آج تم بھی چلے جانا،“ انہوں نے گھڑی دیکھی۔

”جی میڈم!“ مومنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میڈم آپ کبھی میرے گھر بھی آئیے، میری امی اور بہن سے ملیے گا۔“ مومنہ نے خواہش ظاہر کی۔

”انشاء اللہ ضرور۔“ وہ مسکرائیں۔

”میڈم! آپ واپس کب آئیں گی؟“

”میں رات کو واپس آ جاؤں گی، میری بہن زندہ ہوتی تو رات بھی رک جاتی، بھائی صاحب اپنے کاموں میں

مصروف روٹی آج کل کی لڑکی ہے بھلا مجھ سے کتنی دیر باتیں کرے گی۔“ انہوں نے افسردگی سے جواب دیا۔

”روٹی آ جائے گی تو آپ کے گھر میں رونق آ جائے گی، آپ جلدی سوچیں روٹی کے متعلق۔“ مومنہ سے ان

کی تنہائی نہیں دیکھی جانی تھی۔

”عمر آ جائے تو کوئی بات چیت چلاؤں کل کہہ رہا تھا کہ ممائیں بہت بڑی ہوں نیا پروجیکٹ.....“

مومنہ جانتی تھی اب عمر نامہ گھنٹے پر محیط ہو گا اور اسے سننا مومنہ کی مجبوری ہو گا۔

”تمہاری بہن نرا کی شادی کب تک متوقع ہے؟“ خلاف توقع عمر نامہ جلدی ختم ہو گیا تھا۔

”میڈم! ابھی امی نے کوئی ڈیٹ نہیں دی ہے، کچھ وقت درکار ہے،“ مومنہ بولی۔

”ہوں تیاری کچھ کی ہے یا سب وقت کے وقت کرنے کا ارادہ ہے۔“ انہوں نے فکرمندی سے دریافت کیا

تھا۔

”بس میڈم تھوڑی بہت ہی کر رکھی ہے۔“ مومنہ نے بتایا۔

”امی سے کہو شادی کی تاریخ دینے میں تاخیر نہ کریں۔“ میڈم نے کہا۔

”جی!“ مومنہ خاموش رہی اب کیا بتاتی کہ ان کی کل آمدنی آپ کی دی سیلری ہی ہے، بیس ہزار میں سودا سلف،

بجلی، گیس کے بل ہی دیے جاسکتے ہیں شادی کی تیاری نہیں ہو سکتی۔

”مومنہ! کیا سوچ رہی ہو؟“ انہوں نے سوچ میں گم مومنہ کو مخاطب کیا۔

”کچھ نہیں۔“ مومنہ مسکرائی۔

”مومنہ! تم مجھ سے چند ماہ کی ایڈوانس سیلری لے لو اور بہن کی شادی کی تیاری شروع کرو۔“ میڈم نے جھجکتے

ہوئے کہا، انہیں مومنہ کی خوددار طبیعت کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے بہت احتیاط سے بات کر رہی تھیں، ورنہ ان کے لیے

بے حد آسان تھا، نمر کی شادی کے تمام اخراجات اٹھانا لیکن وہ اس چھوٹی سی مصحوم سی خوددار مختی لڑکی کی انا کوٹھیں نہیں

پہنچانا چاہتی تھیں۔

ان دونوں کا تعلق بے غرض اور بے لوث محبت پر مبنی تھا۔

میڈم نے اس سے قبل جتنی بھی لڑکیاں رکھیں سب غریب گھروں کی تھیں مگر بے حد چالاک تھیں، کام چور اور

لا پرواہ، البتہ میڈم سے بہانے بہانے سے جھوٹی مجبور یوں کا بہانہ درو کر پیسے اینٹھنا خوب جانتی تھیں۔

مومنہ نے انہیں حیران کر دیا تھا، بہت لگن سے وہ ان کا خیال رکھتی، خاموشی سے اپنے کاموں میں لگن رہتی، کبھی

اپنے گھر کے حالات کا تذکرہ نہیں کیا تھا، انہیں مومنہ کی عادات بے حد پسند آتی تھیں۔



”بیٹا! سوچو موت یہ لے لو۔“ انہوں نے ہاتھ بڑھایا، مومنہ حیران تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک لاکھ کا چیک تھا۔  
 ”حیران مت ہو، یہ ادھار ہے، اب تمہیں آئندہ ماہ تنخواہ نہیں ملے گی۔“ انہوں نے دو ٹوک انداز میں کہا۔  
 ”تھینک یو میڈم!“ مومنہ نے چیک تھاما۔

”امی بے حد خوش ہو جائے گی۔“ مومنہ نے سوچا۔  
 ”لیکن مومنہ کچھ سوچ کر بے حد پریشان دوسرے ہی پل نظر آنے لگی۔“  
 ”لیکن کیا؟“

”میڈم! اگر کسی وجہ سے یہ جاب میں جاری نہ رکھ سکوں یا آپ مجھے مزید نہ رکھنا چاہئیں“ مومنہ نے خدشے کا اظہار کیا۔

”تم خواہ مخواہ پریشان مت ہو، مجھے تم سے اچھی کیئر کرنے والی مل نہیں سکتی اور تمہیں مجھ سے اچھی باس نہیں مل سکتی۔“ انہوں نے مزاح کے انداز میں کہا۔

”یہ تو ہے۔“ مومنہ قائل ہوئی۔  
 ”اب تم جاؤ اور مجھے بھی روٹی کی طرف جانا ہے۔“ انہوں نے یاد دلایا۔

☆☆☆

”امی..... امی“ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی چلائی۔

”کیا ہوا؟“ امی کا دل بل گیا، گھبرا کا باہر آئیں، نمرابھی کچن سے تیزی سے نکلی تھی۔

”امی! میڈم نے مجھے ایڈوائس سیکری کا چیک دیا ہے ایک لاکھ روپے کا، اب آپ نمر کی شادی کی تیاری کریں۔“ مومنہ جوش سے بولی۔

امی اور نمر اساکت رہ گئی تھیں، مگر دوسرے ہی پل امی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔  
 ”واہ میرے اللہ تو واقعی وہاں سے دیتا ہے جہاں سے بندے کو گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔“  
 ”اللہ بڑا سبب الاسباب ہے۔“ مومنہ نے چیک انہیں تھمایا۔

نمر نے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا، بے ساختہ اس کے اچھے نصیب کے لیے دل سے دعا نکلی، وہ چھوٹی بہن ہو کر اس کے لیے بڑے بھائی کا کردار ادا کر رہی تھی۔

”امی مجھے جہیز وغیرہ نہیں چاہیے، انہیں پتہ ہے، ابو کا انتقال ہو چکا ہے۔“ نمرانا گواری سے بولی۔  
 ”تم چپ رہو، مشرقی لڑکی ایسے موقع پر خاموش رہتی ہے۔“ مومنہ نے ڈانٹا، امی محض مسکرا کر رہ گئیں۔  
 ”میں سنجیدہ ہوں۔“ نمرابولی۔

”میں تم سے زیادہ سنجیدہ ہوں۔“ مومنہ نے جواب دیا۔  
 ”بہت بدتمیز ہو گئی ہو تم؟“ نمر مصنوعی ناراضگی سے بولی۔

نمر نے دل میں تہیہ کیا کہ وہ اپنے سنگیتر سے بات ضرور کرے گی، اسے احساس دلانے کی وہ شادی کی دیٹ فکس کرنے پر اصرار کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اتنی جلدی یہ سب کیسے ممکن ہوگا، وہ ان کے حالات سے بے خبر نہیں تھے، اس کی اپنی نند سے فون پہ بات ہوتی رہتی تھی مگر یا سر سے کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ ہی نمر کے پاس نمبر تھا۔

لیکن شاید دل کو دل سے راہ ہوتی ہے تب ہی رات میں اس کی نندھرا کا فون آیا، بے حد اصرار کیا، کہ وہ یا سر سے کم از کم ایک مرتبہ بات کرے، کوئی اور موقع ہوتا وہ ٹال دیتی مگر اب بات کرنا اس کی ضرورت تھی۔

رات میں نمرانے مختصر بتایا، وہ سمجھدار تھا، سمجھ کے بے حد شرمندہ ہوا اور وعدہ کیا ان کی طرف سے نمرانے کی فہمی کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، نمرانے بات کر کے ہلکی ہلکی ہو گئی تھی۔

مومنہ سو کر ابھی تو موسم کی دلفریبی کا احساس ہوا۔

سیاہ و سرمئی رنگ کے ڈھیر سارے بادل زمین و آسمان کا بدلا ہوا رنگ، معطر ہوا، اور انتہائی باریک بوندوں کی سرسراتی چادر۔

”ہائے اللہ! بارش ہو رہی ہے۔“ انتہائی پر جوش و خروشوار لہجے میں اس نے خاصی بلند آواز میں کہا تھا۔

”نہیں آپ خواب عظیم دیکھ رہی ہیں۔“ جواب صحن کے عین وسط میں بیٹھے علی کی طرف سے آیا تھا، مومنہ نے اس کے بے تکے جواب پر گھور کے دیکھا تھا۔

وہ برآمدے کے فرش پر بیٹھ گئی اور برستی بوندوں کو دیکھنے لگی، جامن کے پتوں کے جھونکوں میں دلفریب مہک سی تھی، اس کا دل چاہا بوندوں کی نمی اپنے وجود پر محسوس کرے مگر علی کی موجودگی اسے باہر جانے سے روک رہی تھی، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ علی کی بے وقت آمد پر جھنجھلا جاتی مگر اس وقت بہت سکون سے بازو پھیلا کر اپنی ہتھیلی سامنے پھیلا دی۔

نخنہ نخنہ موتی اس کی ہتھیلی پر گر کر ٹوٹے اور پھیل جاتے تھے، وہ مگن سی اس کھیل میں مشغول تھی، علی بہت دلچسپی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، کسی دلفریب خیال نے علی کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

”مومو!“

”ہوں۔“ اس نے مگن انداز میں کہا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“

”ہاں، لیکن یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“ مومنہ نے الجھ کر علی کی جانب دیکھا۔

”پچھلے دس منٹ سے دیکھ رہا ہوں، تم مسکرا رہی ہو، اتنا تو تم عید کے عید بھی نہیں مسکراتی۔“ علی نے تشویش سے کہا تھا مگر شرارت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

”جھوٹ کی بھی حد ہوتی ہے علی، مسکرانا خوش اخلاقی کی علامت ہے، اور سب جانتے ہیں میں بچپن سے بے حد خوش اخلاق ہوں۔“ مومنہ خلاف توقع برا ماننے کے بجائے مسکرا دی تھی۔

”تو بہ استغفار، اتنا بڑا جھوٹ وہ بھی اس موسم میں آسانی بجلی گر جائے گی۔“ علی نے دونوں ہاتھ کانوں کو

لگائے۔

کچھ دیر بعد امی کچن میں داخل ہوئی تھیں، مومنہ چائے پی رہی تھی۔

”نمراتم کھانا بنانے کی تیاری کرو، میرا خیال ہے کڑا ہی بنا لو ساتھ میں زردہ بھی۔“

”خیر اتنی تیاری کس سلسلے میں ہو رہی ہے۔“

”امی؟ کون آرہا ہے۔“ مومنہ نے پوچھا۔

”نمرانے کے سرال والے آرہے ہیں۔“ امی نے بتایا۔

”میں آج گھر ہوں، واشنگ مشین لگا کے کپڑے دھولوں گی۔“ مومنہ نے مصروف نرا کو دیکھ کر کہا۔  
”کون سے کپڑے؟“ نمرانے پوچھا۔

”تم کوئی میرے لیے کام بھی چھوڑ دیا کرو، یار اتوار کو تو میں فارغ ہوتی ہوں۔“ مومنہ نے احتجاج کیا۔  
”اور جواتی بڑی ذمہ داری لی ہوئی ہے تم نے اپنے سر پہ وہ کم ہے کیا؟“ نمرانے کہا۔

”میں کوئی انوکھا کام نہیں کر رہی، تم فضول بہت سوچتی ہو،“ مومنہ نے چائے ختم کی اور کپ دھونے لگی۔  
”مومنہ! موبائل تو بہت زبردست ہے، خاصا مہنگا بھی ہے۔“ نمرانے موبائل کو بغور چیک کرتے ہوئے متاثر کن لہجے میں کہا۔

”ہاں، لیکن میں نے میڈم سے کہا تھا، مجھے اس کی ضرورت پیش نہیں آتی، یہ میرے لیے غیر ضروری ہے۔“ مومنہ بے نیازی سے بولی۔

”خیر تمہیں تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، ہر چیز ہی تمہارے لیے غیر ضروری ہوتی ہے۔“ نمرانے برا ماننے ہوئے جواب دیا۔

”بھئی جب مجھے ضرورت ہی نہیں تو میں خواہ مخواہ کسی کا احسان کیوں لوں؟“ مومنہ نے الجھن سے کہا۔  
”مومنہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“ ای نے تائید کی نمراب خاموش ہی رہی۔

”مومنہ! تم درخت کے پاس کھڑی ہو جاؤ، بلکہ ان پھولوں کے درمیان بیٹھ جاؤ، میں تمہاری تصویر بناتی ہوں، دیکھنا کتنی پیاری بنے گی۔“ نمرانے دبے دبے جوش سے کہا تھا۔

”نمر! یہ شوق تم پھر کبھی پورا کر لینا فی الحال تمہارے سسرالیوں کی آمد متوقع ہے، ہمیں شادی کی ڈیٹ سوچ لینے چاہیے، اس مرتبہ وہ ڈیٹ فکس کر کے ہی ٹلیں گے۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

ای اسے محض دیکھ کر رہ گئیں کچھ ہی مہینے میں وہ اپنی عمر سے بہت بڑی ہو گئی تھی، بہت سنجیدہ اور گھر کے معاملات کے لیے بڑی فکرمندی سے نظر آتی تھی۔

”امی! پھر کیا ارادہ ہے؟“ مومنہ تخت پہ آ بیٹھی تھی۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، اتنی جلدی سب کیسے ہوگا۔“ امی نے بے بسی سے کہا تھا۔

”امی سب ہو جائے گا، آپ پریشان مت ہوں۔“ مومنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا۔

ای کے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ آنسو آنکھوں میں آ گئے، یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی اور وہ تنہا تھی۔

”امی! اللہ بڑا کارساز ہے، آپ دیکھیے گا سب کیسے ہوگا، آپ کو پتہ بھی نہیں چلے گا“ مومنہ نے دلا سہ دیا۔

”بھائی سلیم کا فون آیا تھا، شادی ہال وہ اپنی طرف سے بک کروائیں گے، کھانا بھی ان کی طرف سے

ہوگا۔“ امی نے بتایا۔

”بس فرنیچر اور کپڑوں کا اور لین دین کا کام ہے۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے رک کر کہا۔

”امی! ہم اس فضول رسم و رواج میں نہیں پڑیں گے۔“ نمر اچڑی تھی۔

”بیٹا! یہ سب ضروری ہوتا ہے۔“ امی نے نرمی سے کہا۔

”امی! کیا فائدہ ایسے لالچی لوگوں سے رشتے داری کا جو انسانیت کی نہیں جہیز کی قدر کریں۔“ نمرانے طنز کیا۔

”بیٹا! یہ ہی تو المیہ ہے، پہلے ایسے لوگوں کا پتہ نہیں چلتا، نیت تو اللہ ہی جانتا ہے۔“ امی نے بے بسی بے چارگی سے کہا، مومنہ نے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں خوش رہنے کی دعائیں دی تھیں۔

☆☆☆

صائمہ بے چینی بے قراری سے چکر کاٹ رہی تھیں، ان کے بھائی سلیم کا فون آیا تھا، وہ اپنی اکلوتی صاحبزادی ثنا کا رشتہ علی کو دینے کے لیے رضامند تھے لیکن ان کی دوسری بات نے انہیں پریشان کر دیا تھا، بھائی سلیم کا سالانہ ماجدان کے کاروبار میں شریک تھا، ان کا بیٹا فرقان بے حد اچھا تھا، صائمہ دل ہی دل میں اپنی بیٹی کا فرقان سے رشتہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں، ابھی اس کا تذکرہ انہوں نے صرف اپنے شوہر سے کیا تھا، صائمہ کو یقین تھا جب بھائی سلیم کی بیٹی ثنا ان کی بہو بن جائے گی، تب وہ بھائی سلیم سے کہہ کر اپنی بیٹی کا رشتہ فرقان سے کروادے گی، اپنی اس پلاننگ پہ وہ مطمئن تھیں، اسی پلاننگ کی کامیابی کے چانس بھی سو فیصد تھے، مگر آج بھائی سلیم کے فون نے انہیں ہلا کے رکھ دیا تھا۔

سلیم بھائی نے فون نہ بتایا تھا کہ ان کے سالے نے انہیں کہا کہ ان کا ارادہ اپنے بیٹے فرقان کے لیے صالحہ باجی کی بیٹی مومنہ لینے کا ہے، آج سے دو سال قبل انہوں نے مومنہ کو دیکھا تھا انہیں مومنہ بے حد پسند آئی تھی مگر چونکہ مومنہ کی عمر کم تھی، اس وجہ سے صالحہ باجی سے رشتہ نہیں مانگا تھا، اب یہ کہ اگر گنگنی کر لی جائے تو دو سال بعد شادی ہو سکتی ہے، بھائی سلیم بھی سن کر خوش ہوئے تھے کہ اس طرح صالحہ باجی کا بوجھ کم ہو جائے گا، انہیں گھر بیٹھے مناسب رشتہ مل جائے گا۔

ایک آگ پورے جسم میں صائمہ کے پھیلی تھی، حسد سے برا حال تھا، انہیں اپنی یہ حسین خود اعتماد، ذہین خود داری بھانجی سے اللہ واسطے کا بیر تھا، اس کی بے نیازی، اطمینان انہیں جلا کر خاک کرتا تھا، وہ مومنہ کی آنکھوں میں حسرت و محرومی دیکھنا چاہتی تھیں، لیکن انہیں ہر مرتبہ مایوسی ہوتی تھی، ان آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ہوتی تھی۔

مومنہ بچپن میں بھی ان کے گھر آتی تو خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاتی، علی اور ان کی بیٹیاں اپنے کھلونے دکھاتے، مگر مجال ہے وہ کبھی انہیں ہاتھ بھی لگاتی، کھیلنا تو دور کی بات ہے، نہ جانے کیوں انہیں چڑسی ہو گئی تھی، انہیں لگتا تھا مومنہ انہیں چیلنج کر رہی ہے، رفتہ رفتہ ان کی بیٹیاں بھی مومنہ سے چڑنے لگی تھی، بلکہ حسد کرنے لگی تھیں، صرف اس کی وجہ اس کا حسین ہونا تھا، جس کے سامنے وہ ماند پڑتی تھیں۔

صائمہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیسے بھائی سلیم کو روکے، انہیں ڈرتا بھائی سلیم نے اگر فون کر کے صالحہ سے تذکرہ کر دیا اور صالحہ نے ہاں کر دی تو رشتہ ہاتھ سے چلا جائے گا۔

☆☆☆

نمرا کے سسرال والوں نے بقرعید کے بعد کی ڈیٹ طے کی تھی، محرم کے بعد یاسر نے واپس جانا تھا۔

ان کے پاس صرف ایک مہینے اور ایک ہفتے کا وقت تھا۔

نمرا کے سسرال والوں نے سختی سے جہیز لینے سے منع کیا تھا، ان کا کہنا تھا کہ یاسر خود اپنے بیڈروم میں اپنی پسند کے فرنیچر کا آرڈر دے چکا ہے، گھر میں کہیں بھی نمرا کے جہیز کی جگہ نہیں ہے۔

صالحہ بے بسی سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی، مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، ناچار صالحہ کو مافی

پڑی، نمرا کو اطمینان نے آگھیرا۔

نمرا نے بیڈروم میں آکر ”شکریہ“ کا میسج ٹیکسٹ کیا یاسر کو، جواب پڑھ کر ایک شرمیلی مسکراہٹ اس کے لبوں کو

مومنہ کھانا لگا رہی تھی، خوشگوار ماحول میں سب نے مل کر کھانا کھایا تھا، سب بے حد خوش تھے، صالحہ بھی ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔ عشا کے بعد وہ گئے تو نمرانے برتن دھوئے۔

مومنہ اور امی مہمانوں کی فہرست اور شادی کا ٹاپک لے کر بیٹھ گئی تھیں، نمرانے کو بے حد خوشی ہو رہی تھی، اس کے شریک سفر نے نہ صرف اس کی مجبوری کو سمجھا ہے بلکہ اس کے کہنے پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

صبح مومنہ اپنی ڈیوٹی پاؤں اور صالحہ اور نمرانے کی شادی کے ملبوسات کی خریداری کے لیے چلی گئی تھیں۔

مومنہ نے کل نمرانے کے سسرال والوں کی آمد، شادی کی ڈیٹ اور ان کا جیمیز لینے سے انکار کا میڈم کو بتایا تھا۔

دونوں چھوٹی چھوٹی ہر بات آپس میں ڈسکس کرتی تھیں، دونوں کی انڈر اسٹینڈنگ کمال کی تھی۔

”مومنہ! میں چاہتی ہوں میری خواہش ہے کہ روپی بھی تمہارے جیسے مزاج کی نکلے اور اسی طرح ہم ہر بات کیا کریں۔“ سائرہ میڈم نے حسرت سے کہا تھا۔

”میڈم! انشاء اللہ روپی بھی ایسی ہی ہوگی، آپ ہے ہیں اتنی اچھی، پھر وہ کیوں روایتی بہو بنے گی۔“ مومنہ بولی۔

”ہاں، ہے تو میری بھانجی ہی مگر مجھ سے کم گھلتی ملتی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”میڈم ساتھ رہنے سے بے تکلفی پیدا ہوتی ہے، آپ نے خود ہی تو کہا تھا، وہ عرصہ دراز امریکہ میں پلی بڑھی، آپ یہاں تھیں، اس دوران آپ لوگوں کی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب وہ یہاں آئی ہے، چھ سات ماہ سے، اتنی جلدی بے تکلفی کہاں ہوتی ہے۔“ مومنہ نے دلا سہ دیا۔

”ٹھیک کہا تم نے، قریب رہنے سے ہی فاصلے مٹتے ہیں۔“ انہوں نے اطمینان سے کہا۔

”اچھا مومنہ! بیٹا تم بے شک ایک ہفتے کی چھٹی کر کے نمرانے کی شاپنگ کر لو۔“ سائرہ میڈم نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا، مومنہ جانتی تھی ان کے لیے تہار ہنا بہت مشکل ہے، وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی تھیں۔

”میڈم! مجھے بازاروں کے چکر لگانے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے، یہاں تک کے میرے کپڑے بھی نمرانے کی خریدتی

ہے۔“ مومنہ سادگی سے بولی تھی، میڈم محض مسکرا کر اس کو دیکھتی رہیں، وہ بے حد ذمہ دار تھی، اس لیے میڈم کے دل کے بے حد قریب تھے۔

اب وہ کل ہونے والی عمر سے گفتگو اور روپی کے گھر جانے کا احوال مومنہ کو سنارہی تھی، مومنہ بے حد خوش دلی سے تبصرے کر رہی تھی، اس دوران عروید کا قانون آ گیا تھا، اس نے بھی اپنی ماما کے خوشگوار موڈ کو محسوس کیا، وہ اب جان گیا تھا، یہ مومنہ کی بدولت ہے، عروید بنا ملے اس انجانی لڑکی کا ممنون تھا، ورنہ اس سے قبل جب بھی ماما کو فون کرتا وہ بے حد تنہا، پریشان ہوتی تھیں اور اسے بار بار آنے کی تاکید کرتی تھیں، مگر اب ایسا نہیں تھا، ماما کو خوش دیکھ کر وہ بے حد مطمئن تھا۔

☆☆☆

پہلی شادی تھی گھر میں سب رشتے داروں کی آمد متوقع تھی، شادی کا رڈ کی جگہ صالحہ نے سب کو فون کر دیے تھے، سب چونک ہی گئے تھے کہ کیسے سب اتنی جلدی ممکن ہو گیا، تاہم پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہیں کسی پریشانی کا تذکرہ کر کے ان سے رقم نہ مانگ لی جائے، البتہ تجسس میں سب مبتلا تھے۔

بارات سے ایک دن قبل سب آگئے تھے، اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا، بے حد رونق ہو رہی تھی، دونوں ماموں بہت عرصے بعد آئے تھے، ماموں ماما اور سب کزنز بھی بے حد تپاک سے ملے تھے، جہاں ایک طویل نشست کے بعد ماما اور کزنز کو مومنہ خالی کمرے میں لے آئی تھی۔

بڑی ماما نے بے حد پسندیدگی سے مومنہ کی جانب دیکھا وہ اس وقت بے حد سوہلگ رہی تھی کچھ دیر میں صائمہ خالہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ آگئی تھیں، کھانے سے فارغ ہو کر سب خوشگوار گپ شپ میں مگن ہو گئے، لڑکے لڑکیوں نے ڈھولک رکھ لی تھی، نمر اور مومنہ گو اس کے حق میں نہیں تھیں، انہیں اپنے ابو کی بے حد یاد آ رہی تھی۔ کچھ دیر میں سب اتنے پر رونق اور اپنائیت بھرے ماحول کا حصہ بن گئے تھے، رات میں صائمہ ثنا اور اپنے بھائی سلیم کو اپنے گھر لے گئی تھیں۔

صبح ہوتے ہی گھر میں شادی کی مخصوص چہل پہل شروع ہو گئی، امی آج بے حد اداس تھیں، نمر کی جدائی کے خیال سے چپکے چپکے کئی بار آنسو بہا چکی تھیں، نمر ابھی ایسی کیفیت سے دوچار تھی، وقت پہ سب پہنچ گئے تھے شادی ہال میں۔ میڈم سائرہ بھی آگئی تھیں، امی اور نمر اسے ملیں، سائرہ میڈم کو ان سب سے مل کر بہت اچھا لگا، صائمہ حیرت سے اس خاتون کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے خاصے قیمتی کپڑے اور ڈائمنڈ کاسیٹ پہن رکھا تھا، وہ بیش قیمت گفٹ لے کر آئی تھیں۔

”مومنہ کو آپ کیسے جانتی ہیں؟“ آخر کار بے صبری سے پوچھ ہی لیا، مومنہ کے لیے ان کی اپنائیت صائمہ کھٹک رہی تھی۔

”یہ جاب کرتی ہے میرے پاس۔“ سادگی سے میڈم سائرہ نے جواب دیا۔

”کیا جاب؟“ صائمہ نے چبھتا ہوا سوال کیا مومنہ کو بغور دیکھ کر۔

صائمہ کے سوال پہ مومنہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا، جانتی تھی اگر سچ پتہ چل گیا تو انہوں نے اور ہی رنگ لینا ہے، خاندان بھر میں باتیں الگ کرنی تھیں۔

”میرا امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ کا بزنس ہے اور مومنہ میری پرنسپل سیکرٹری ہے، بہت ذہین اور ذمہ دار لڑکی ہے۔“ سائرہ میڈم نے مومنہ کا چہرہ دیکھ کر جھوٹ بول دیا۔

سائرہ میڈم کا جواب سن کر جہاں صائمہ کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا، وہاں مومنہ کی جان میں جان آگئی تھی، مومنہ نے نظروں ہی نظروں میں میڈم کا شکریہ ادا کیا، سائرہ میڈم جواباً مسکرائیں، مومنہ کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

تب ہی علی کی نظر مومنہ پر پڑی فی ٹی پنک پاٹجامہ فرائیڈ پہنے ہلکا میک اپ کیے وہ سیدھی اس کے دل میں اتر جا رہی تھی، وہ ہمیشہ بے حد سادہ رہتی تھی، مگر آج ہلکے سے سنگھار نے اسے بے حد حسین اور نمایاں کر دیا تھا۔

”آج تو پہچانی نہیں جا رہی، چہرہ بہت چمک رہا ہے۔“ علی نے قریب آ کر کہا۔

”کیا فائدہ چہرے چمکنے کا جب مقدر نہ چمکے۔“ صائمہ نے سفاکی سے جواب دیا۔

”اللہ نہ کرے، بہن آپ ایسی باتیں مت کریں، اللہ مومنہ کا نصیب اچھا کرے گا، صاف دل کے لوگوں

چہرے ایسے ہی چمکتے ہیں۔“ سائرہ میڈم نے صائمہ پہ طنز کیا، صائمہ تملکا کر رہ گئیں، انہیں سائرہ میڈم کی حمایت بہت لگ رہی تھی۔

”یہ تمہاری سگی خالہ ہے؟“ سائرہ میڈم نے علی کی موجودگی میں حیرت سے دریافت کیا۔

”جی میڈم!“ مومنہ نے شرمندگی محسوس کی، علی البتہ خاموش تھا۔

بارات آگئی تھی، یا سر کو دیکھ کر سب نے سراہا۔

صائمہ ایک بار پھر حاسد ہوئی تھی، رخصتی بخیر و عافیت ہو گئی تھی۔

دوسرے دن ولیمہ تھا، ولیمہ بہت زبردست تھا، نمر اپیل گرین شرارے میں بہت نکھری نکھری خود اعتماد لگ رہی تھی۔

”نمر! بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔“ مومنہ نے متاثر کن لہجے میں پیار سے کہا۔

”ہاں، لیکن تم سے کم۔“ نمر نے نیوی بلیو اور زینک کلر سوٹ پہنے مومنہ کو جواب دیا۔

”بدتمیز۔“ مومنہ خفگی سے بولی تھی۔

ولیمہ کے بعد سب تھکان کا شکار ہو گئے تھے، دوسرے دن صبح ہی سب اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے، نمر کی کمی

امی اور مومنہ کو بہت محسوس ہو رہی تھی، کمرے میں صحن میں کچن میں ہر دم وہ کام کرتی پھرتی تھی، اب جیسے سنا چھا گیا تھا۔

”امی! میرے جاب پہ جانے کے بعد اب کیسے تہہ پا ہیں گی؟“ مومنہ فکر مند ہوئی تھی۔

”بیٹا! وقت گزارنا تنہا بڑا مشکل ہے لیکن کیا کریں دوسرا کوئی راستہ نہیں اور ایک دن تمہاری بھی تو شادی

ہو جائے گی۔“ امی رنجیدہ تھیں۔

”امی! میں آپ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔“ مومنہ جذباتی پن سے بولی۔

”بیٹا! تم اپنے گھر جاؤ گی تو مجھے زیادہ اطمینان ہوگا، میری بیٹی اپنے گھر میں خوش ہو، اس سے زیادہ کیا خوشی کی

بات ہوگی میرے لیے۔“ امی بولیں۔

”میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی۔ آپ کی خدمت کروں گی۔“ مومنہ ضدی انداز میں بولی۔

”تمہیں اپنی خدمت کے لیے رکھ کر میں تمہاری زندگی برباد کر لوں، میرے بعد کیا کرو گی، تم تنہا رہ

جاؤ گی؟“ امی نے پیار سے سمجھایا۔

”امی! اگر ہمارا بھائی ہوتا تو.....“ مومنہ کی دبی دبی خواہش منہ سے نکلی تھی۔

”بیٹا! اللہ کی حکمت پوشیدہ ہوگی، ہم اس کی رضا میں راضی ہیں۔“ امی بے نیازی سے بولیں۔

”امی! آج کیا بنانا ہے؟ آج نمر اور یا سر بھائی آئیں گے۔“ مومنہ نے پوچھا۔

”داماد پہلی بار گھر آئے گا۔“ امی فکر مند نظر آئیں۔

”میں پلاؤ اور کو فٹے بنا لوں گی تم کباب اور کسٹرڈ بنا لیتا۔“ انہوں نے کام بانٹے۔

اس سے قبل نمر اتمام کچن کا کام اکیلی ہی کرتی تھی۔

”امی! سودا سلف لانا ہوگا۔“ مومنہ کو یاد آیا، چکن اور چاول ختم تھے۔

”علی آجائے، تو اس سے منگو لیں گے۔“ امی اطمینان سے بولیں۔

”امی! علی کو چھوڑیں، میں اور آپ خود چلے جاتے ہیں، علی نے ایک گھنٹہ باتیں گھڑنی ہیں پھر کہیں جانا

ہے۔“ مومنہ کے چہرے پر بیزارى نمایاں ہوئی۔

”بے چارہ محبت میں آ جاتا ہے ورنہ آج کل کے فرصت ہے۔“ امی کے لہجے میں بھانجے کے لیے محبت تھی۔ مومنہ نے بحث سے گریز کیا تھا، کچھ دیر میں امی کی بات سچ ثابت ہوئی تھی، علی صاحب تشریف لے آئے تھے۔

”لو علی آ گیا۔“ امی بے ساختہ دیکھ کر بولیں۔

”خالہ! آپ یاد کریں اور ہم نہ آئیں۔“ علی مسکرایا۔

”بیٹا! مارکیٹ جانا تھا، آج نمرا اور یاسر آئیں گے، کچھ سامان لانا ہے۔“ لسٹ دیتے ہوئے مومنہ نے بتا۔ ہوئے پرس سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اسے بڑھایا۔

”پیسے رہنے دو، سامان لے آتا ہوں۔“ علی نے جواب دیا۔

”پیسے پکڑو۔“ مومنہ کے چہرے پر سنجیدگی نمایاں تھی، اس کا مطلب تھا، وہ مزید بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

”مومنہ! انہوں میں تکلف نہیں کرتے۔“ علی نے اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”صائمہ آئی کے سامنے کبھی کہنا، فی الحال یہ پیسے پکڑو۔“ مومنہ نے طنز کیا۔

”تمہیں تو پتہ ہے ان کا مزاج ایسا ہی ہے۔“ علی نے صلح جو انداز میں کہا۔

”بہت ضدی ہو۔“ علی خفا نظر آنے لگا۔

کھانا تیار کی آخری مراحل میں تھا کہ یاسر بھائی اور نمرا کی آمد نے گھر کی خاموشی کو توڑا تھا۔

یاسر بھائی اور علی کے قہقہے گونج رہے تھے، نمرا امی کو اپنے سرسرایوں کے متعلق بتا رہی تھی، مومنہ تیز تیز کام کر رہی تھی، اطمینان بخش بات نمرا کا پراعتماد انداز چہرے پر بکھرے حیا کے رنگ، لبوں پہ بکھرتی دھیمی مسکان دیکھ کر نمرا طرف سے بے فکری ہوئی تھی۔

کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں سب نے مل کر خاموشی سے کھایا تھا، ان کے واپس جاتے ہی ہر طرف خا

چھا گئی تھی، امی بھی شادی کی تھکان کے باعث جلدی سو گئی تھیں تاہم وہ دیر تک جاگ کے نمرا کی کمی محسوس کرتی رہی۔

صبح حسب دستور فجر کی نماز کے بعد مومنہ نے کپڑے پر پیس کیے آج اسے سائرہ میڈم کے پاس بھی جانا تو

لیکن آج میڈم کے پاس جاتے ہوئے اسے امی کی بے حد فکر ستا رہی تھی، امی کی تنہائی کے خیال سے پر

تھی، اس کی پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

”مومنہ! کیا بات ہے؟“ سائرہ میڈم نے پوچھا۔

”کچھ نہیں، میڈم سوچ رہی ہوں، امی اکیلی ہو گئی ہیں، نمرا تھی تو کسی بات کی فکر نہیں تھی۔“ مومنہ نے کہا۔

”ہاں یہ بات تو ہے، اب تم ایسے کیا کرو، میرے پاس دس بجے اپنے کام ختم کر کے آیا کرو اور شام پا

واپس چلی جایا کرو۔“ انہوں نے تجویز پیش کی۔

”تھینک یو سوچ، میڈم یو آر سو گریٹ۔“ مومنہ بے ساختہ بولی۔

”اچھا، تشریف کی ضرورت نہیں ہے، تم سب کام چھوڑ دو کچن سے مٹھائی لے کر آؤ۔“ انہوں نے کہا۔

”اوکے۔“ مومنہ کچن میں گئی تو چم اور گلاب جاسن رکھے تھے، مومنہ ایک پلیٹ میں رکھ کے لے آ

پہ سائرہ میڈم کے سامنے رکھے۔



”کھاؤ۔“ میڈم بولی۔

”میڈم کس خوشی میں؟ عمر صاحب کی منگنی ہو گئی ہے۔“ مومنہ نے خوشدلی سے پوچھا۔

”اللہ وہ وقت بھی لائے گا، فی الحال تو عمر نیکسٹ منٹھ آ رہا ہے، میں بہت خوش ہوں۔“ میڈم نہیں۔

”یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، آپ کی تنہائی ختم ہو جائے گی۔“ مومنہ کو واقعی خوشی ہو رہی تھی، میڈم سے اس کی

انسیت اپنائیت اور محبت بدل گئی تھی۔

”روبی کے والد صاحب کو بھی اطلاع دوں گی، وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔“ میڈم بولیں۔

”اور روبی بھی۔“ مومنہ نے یاد دہانی کروائی۔

”ہاں، تم دیکھنا میں کتنی دھوم دھام سے عمر کی شادی کروں گی، میرا سب کچھ میرا بیٹا ہی ہے۔“ سائرہ میڈم بے

حد محبت سے جذباتی انداز میں بولیں۔

”اللہ پاک خوشی مبارک کرے۔“ مومنہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔

”سنو تم میری بیٹی ہو، تمہارا اس گھر سے تعلق قائم رہے گا۔“ انہوں نے نرمی سے کہا۔

”جی بالکل۔“ مومنہ نے تائید کی۔

”لیکن تم شادی کے بعد نجائے کہاں چلی جاؤ۔“ میڈم اداس نظر آنے لگیں۔

”جہاں بھی جاؤں گی، اسی سے ملنے آؤں گی تو آپ سے بھی ضرور ملوں گی۔“ مومنہ نے محبت سے جواب دیا۔

”جیتتی رہو۔“ میڈم خوش ہو گئیں۔

”میڈم آپ کو کیسے لگے یا سر بھائی؟“ مومنہ کو یاد آیا۔

”ماشاء اللہ خوبصورت شریف النفس لڑکا لگ رہا تھا، سب لوگ ہی اچھے تھے لیکن تمہاری خالہ کا مزاج مجھے پسند

نہیں آیا۔“ میڈم صاف گوئی سے بولیں۔

”تمہاری امی بہت سادہ مزاج کی ہیں مگر خالہ تیز مزاج کی ہے، بڑا تنقیدی مزاج پایا ہے۔“

”ایک ہی خالہ ہیں میری۔“ مومنہ مسکرائی۔

”یہ ایک بھی نہ ہوتی تو فرق نہ پڑتا۔“ میڈم نے چھیڑا۔

”یہ تو ہے۔“ مومنہ بیچارگی سے بولی۔

”سنو! میڈم ذرا قریب آ کر رازداری سے بولیں۔“

”یہ علی تم میں انٹر سٹڈ ہے؟“ مومنہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئی۔

”میں نہیں جانتی۔“

”مجھے ایسے لگتا ہے پوری شادی میں تم ہی کو دیکھے جا رہا تھا، خیر تم لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی، سب کی توجہ کا مرکز

بن رہی تھی۔“ انہوں نے سچائی سے کہا۔

”لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے بلا وجہ لڑکیوں کو گھورنا۔“ مومنہ بے زاری سے بولی۔

سطحی لڑکیوں کی طرح اسے یہ جان کر بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی، وہ

حیادار مشرقی لڑکی تھی، تب ہی اس کے موبائل یہ بپ ہوئی، ان بکس کھولا تو علی کا میسج تھا۔

بس اتنا یاد رکھ مجھے  
جیسے کسی کتاب میں  
بیٹے دنوں کے دوست کا  
اک خط پڑا ہوا ملے  
مٹے مٹے سے ہو  
رنگ اڑاڑا سا ہو  
لیکن وہ اجنبی نہ ہو  
بھولے ہوئے تمام دکھ  
بیٹے دنوں کا سب کچھ  
تجھ سے کہے اور تو رو پڑے  
لمبی اتنا سایا درکھ مجھے  
کہ جب کبھی بات بہ بات  
یاد ہماری آجائے تو تھوڑا سا مسکرا لینا  
اور دل کو یہ سمجھا لینا  
نادان سا ہے پر سچا ہے  
بس اتنا سایا درکھ مجھے  
”کس کا میسج ہے؟“ میڈم نے دریافت کیا۔

”علی کا ہے، وہ خواہ مخواہ کرتا رہتا ہے، میں رہ پلائے بھی نہیں کرتی۔“ مومنہ نے شرمندہ ہوتے ہوئے میڈم

سے کہا۔

”ہوں، لیکن اس کی امی تمہارا جینا حرام کر دے گی، ایسی عورتیں محض اپنی حکمرانی چاہتی ہیں اور وہ اس صورت میں جب بیٹا اکلوتا ہو۔“ میڈم نے تبصرہ کیا۔

”میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں مجھے یقین ہے مگر وہ تو سوچ سکتا ہے نا؟“ میڈم بولیں۔

”خالہ ایسا کبھی نہیں چاہیں گی۔“ مومنہ نے بتایا۔

”وہ تو لگ رہا ہے اتنی حسین اور وہ بھی بیٹے کی پسندیدہ اتنا ظریف نہیں اس خاتون میں۔“ میڈم مسکرائیں۔

”نہ ہو، یہاں کون خواہش مند ہے۔“ مومنہ نے نیازی سے بولی تو سائرہ بیگم اس کی سادگی دیکھ کر کچھ سوچے

لگیں۔

☆☆☆

”امی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے؟“ علی نے رغبت سے کھانا کھاتی صائمہ کو مخاطب کیا۔

”بولو۔“ وہ متوجہ ہوئی مگر دھیان اور نظریں پلیٹ پر مرکوز تھیں۔

”میں مومنہ کو بہت پسند کرتا ہوں، آپ خالہ سے رشتہ کی بات کریں، اس سے قبل کوئی اور آ جائے۔“ علی نے صاف دو ٹوک انداز اختیار کیا تھا۔

صائمہ کو لگا وہ طوفان کی زد میں آ گئی ہے، انہیں بے حد تکلیف ہوئی۔

”علی! یہ کیا مذاق ہے؟“ وہ گرجیں۔

”یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔“ علی نے ان کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھا۔

”یہ ناممکن ہے۔“

”کیوں؟“

”مجھے وہ پسند نہیں۔“

”اس میں کیا خامی ہے؟“

”اس کی سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں۔“ انہوں نے نخوت سے کہا۔

”لیکن مجھے وہ بہت پسند ہے۔“ علی بضد تھا۔

”میں جانتی ہوں، مومنہ نے تمہیں پھانسا ہے۔“ انہوں نے نفرت سے کہا۔

”آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں، یہ میری اپنی آرزو ہے، میری اپنی خواہش ہے۔“ علی نے یقین دلا نا چاہا۔

”علی! میں جانتی ہوں تمہیں رشتہ بھیجنے کے لیے مومنہ نے کہا ہوگا، وہ میسنی لڑکی ہے، تمہیں مجبور کیا ہوگا۔“ صائمہ یقین سے بولی تھیں۔

”مجھے مومنہ نے ایسا کچھ نہیں کہا، اس نے کبھی ایسی بات نہیں کی ہے، وہ میرے جذبات سے انجان ہے، وہ اس کا مزاج مجھے اچھا لگتا ہے۔“ علی نے حقیقت بیان کی تھی۔

”مجھے یہ رشتہ نہیں کرنا وہ لوگ ہمارے اسٹیشن کے نہیں ہیں۔“ صائمہ غرور سے بولی تھیں۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے امی اور میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔“ علی نے اٹل انداز میں جواب دیا اور وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔

صائمہ سر تھام کر رہ گئیں، انہیں علی کی ضد بری نہیں لگ رہی تھی، انہیں مومنہ پہ تاؤ تھا، جس کی وجہ سے ان کا اکلوتا عزیز بیٹا منہ کو آ رہا تھا۔

”مومنہ بی بی میں تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں گی، میرے گھر میں آ کر عیش کرنا چاہتی ہو، میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننا چاہتی ہو۔“ صائمہ نفرت سے دل ہی دل میں مومنہ سے مخاطب تھیں۔

☆☆☆

مومنہ خلاف توقع جلدی گھر آ گئی تھی، اس کو دیکھ کر خوش ہی ہو گئی تھیں۔ تنہائی کاٹنے کو آ رہی تھی۔

”مومنہ! میڈم کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ صالحہ بیگم نے پوچھا۔

”جی! میڈم نے کہا ہے کہ تم اب دس سے پانچ تک آیا کرو، تمہاری امی بھی تنہا ہوتی ہیں۔“ مومنہ نے بتایا، اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔

”یہ تو بہت اچھا ہو گیا ہے۔“ صالحہ خوش تھیں۔

”امی! آج کا دن کیسا گزرا؟“ مومنہ نے عبا کے بٹن کھولے۔

”نمرا یاد آتی رہی۔“ صالحہ کے چہرے پر ادا سی نمایاں ہوئی۔

”آپ فون کر لیتیں؟“ مومنہ نے عبا کو بیٹھ کر کیا۔

”آیا تھا نمرا کا فون، وہ اپنی زندگی دعوت میں گوجرانوالہ جا رہی ہے۔“ صالحہ نے بتایا۔

”واؤ نمرا کے سیر سپاٹے شروع۔“ مومنہ مزے سے بولی۔

”اس کے بعد لاہور بھی جائے گی۔“ صالحہ نے مزید معلومات فراہم کیں۔

”امی! نمرا کے یہ بی دن ہیں گھومنے پھرنے کے، پھر اس کے بعد یا سر بھائی سعود یہ چلے جائیں گے۔“ مومنہ

انفردگی سے بولی۔

”ہاں بیٹا! کچھ دن کی رونق ہے، پھر اس کے بعد اس کا دل بھی نہیں لگے گا۔“ صالحہ مسکرائیں۔

”دل کیوں نہیں لگے گا، ہم ہیں نا“ مومنہ خفگی سے بولی۔

”بیٹا! ہر رشتے کی اپنی جگہ ہوتی ہے، شادی کے بعد بیوی کے لیے شوہر سب سے اہم ہو جاتا ہے۔“ صالحہ رसान

سے بولیں۔

”عجب منطق ہے، خیر کیا بتایا ہے آج؟“ مومنہ کو اچانک بھوک کا احساس ہوا تھا۔

”آلو گوشت۔“ صالحہ نے جواب دیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں نماز پڑھ لوں پھر کھانا کھاؤں گی۔“ مومنہ نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

نماز کے بعد کھانا اور پھر نمرا سے بات کر کے اس نے اپنے اور امی کے کپڑے دھوئے تھے اور پھر چائے بنا کر

صالحہ کے پاس آ گئی۔

☆☆☆

علی نے صائمہ کو تنگ کیا ہوا تھا، عاجز تھیں صائمہ علی کی ضد سے مگر بہر حال مومنہ انہیں قبول نہیں تھی۔

علی کے والد صاحب کا کہنا تھا کہ جوان بیٹے سے ضد کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، وہ بدظن ہو جائے گا، مومنہ کے حسن

کا اسیر ہو گیا ہے، نصیحتوں سے افادہ نہیں ہوگا۔

”مگر مومنہ۔“ وہ بے بسی سے بولیں۔

”مومنہ میں ایسی کوئی خامی نہیں جس کی دلیل دے کر تم اسے مطمئن کر سکو۔“ صائمہ خاموش ہو گئیں، یہ ہی تو

مسئلہ تھا کیا کرتی، کیسے بدظن کرتی، علی آج کل دیر سے آتا تھا، کھانا بھی گھر نہیں کھا رہا تھا، انہیں علی سے بے حد محبت تھی مگر

مومنہ سے چڑ میں اضافہ ہو رہا تھا۔

”امی! آپ خالہ کے گھر کب جائیں گی؟“ علی نے رات بنا کسی تمہید کے ان سے گھر میں داخل ہوتے ہی

پوچھا تھا۔

”کبھی بھی نہیں۔“

”ٹھیک ہے، امی میں اسٹڈی ویزے پر یو کے جا رہا ہوں، اب آپ کر لیجیے گا مومنہ سے ضد کا شوق پورا۔“ علی

صائمہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، بہر حال وہ اپنے بیٹے سے بے حد محبت کرتی تھیں فی الحال اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

”فی الحال مومنہ سے منگنی کر دوں تو؟“ صائمہ کچھ سوچ کر بولیں۔

”پھر تو مجھے چھوڑ کے نہیں جاؤ گے نا؟“

”نہیں پھر میں نہیں جاؤں گا۔“ علی فوراً بولا۔

”ٹھیک ہے۔“ صائمہ تھکے ہارے انداز میں گویا ہوئیں۔

”جی امی۔“ علی بے ساختہ چلایا۔

”ہاں مگر تم نے میری بات نہیں مانی، اپنی ضد منوائی ہے، یاد رکھنا میں خوش نہیں ہوں۔“

صائمہ رنجیدہ نظر آ رہی تھیں، مگر علی اتنا خوش تھا کہ صائمہ کی رنجیدگی اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

”اولاد کی محبت بھی کیسی آزمائش میں مبتلا کر دیتی ہے۔“ صائمہ محض سوچ کر رہ گئیں۔

علی خوشی خوشی اپنے بیڈم روم میں آیا، مومنہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا مگر پھر سر پرانز کا سوچ کے رک گیا، اگلے ہی دن صائمہ علی کے مجبور کرنے پر مومنہ کے گھر چلی آئیں۔

”ارے صائمہ! تم صبح صبح؟“ صالحہ بے حد خوش ہوئیں، صائمہ کو اپنے گھر میں دیکھ کر۔

”مومنہ کہاں ہے؟“ صائمہ بہن کو نظر انداز کر کے بولیں۔

”مومنہ اپنی ڈیوٹی پہ ہے۔“ صالحہ نے بتایا۔

”میں علی کی خواہش پہ مومنہ کا رشتہ طلب کرنے آئی ہوں۔“ صائمہ بے دلی سے بولیں۔

”مومنہ تمہاری ہی بیٹی ہے۔“ صالحہ بہت خوش ہو گئیں اچانک سے جیسے بڑی خوشی میسر آ گئی ہو۔

کچھ دیر بیٹھ کر صائمہ واپس آ گئی بہن سے ایک مرتبہ ہی کہنے کے بعد دوبارہ بات نہیں کی رشتے کی، ان کے جانے کے بعد صالحہ نے نمرا کو فون کیا نمرا کی خوشی قابل دید تھی، علی اسے بھائیوں کی طرح عزیز تھا۔

مومنہ البتہ حیران ہوئی، اسے صائمہ سے توقع نہیں تھی، مگر چپ رہی۔

”مومنہ! تمہاری کیا رائے ہے بیٹا!“ صالحہ نے رات میں ناول پڑھتی مومنہ سے مشورہ طلب کیا۔

”امی! جو آپ کو بہتر لگے۔“ مومنہ نے فرمانبرداری سے کہا تھا۔

اس کا ذہن صاف تھا، اس نے کبھی بھی کچھ ایسا دیا نہیں سوچا تھا۔

”علی تمہیں کیسا لگتا ہے؟“ صالحہ نے جھپکتے ہوئے پوچھا تھا۔

”امی! علی کے متعلق میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا، آپ کو پسند ہے تو ٹھیک ہے وہ مگر صائمہ خالہ کا مزاج کچھ

ناراض ناراض رہتی ہیں مجھ سے۔“

”بیٹا! صائمہ مزاج کی تیز ہے اس کا رویہ سبھی کے ساتھ ہی ایسا ہے، مگر دیکھو اگر تمہیں ناپسند کرتی تو تمہارا رشتہ

لینے کیوں آتی۔“ صائمہ نے سمجھایا۔

مومنہ خاموش ہو گئی، اب وہ مزید کیا کہتی، پھر صائمہ نے فون کر کے آنے والی اتوار کو منگنی کی تقریب رکھ لی، نمرا

تو خبر سنتے ہی بھاگی چلی آئی، صائمہ خواہش مند تھی علی ان کا اکلوتا بیٹا ہے وسیع پیمانے پر اس کی منگنی کا اتفاق منعقد کیا جائے گا۔

مگر مومنہ کا موقف تھا کہ حال ہی نمرا کی شادی کے باعث ان کے مالی حالات انہیں کسی فنکشن کو دھوم دھام سے کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں، صائمہ کو مومنہ کی ضد پہ تاؤ آ گیا مگر خلاف توقع چپ ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

”میڈم آپ آئیں گی نا؟“ مومنہ نے سارہ بیگم کو اپنے رشتے کا بتاتے ہوئے مکتبی پر انوائٹ کیا۔  
”بالکل بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ تم انوائٹ نہ کرو ہم تب بھی آئیں گے۔“ میڈم خوشدلی سے بولیں، مومنہ مسکرائی۔

”علی کے متعلق میرا شبہ درست تھا، اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے پسندیدگی تھی، یہ بتاؤ تم۔“  
”خوش ہو؟“ انہوں نے مومنہ کو گہری نظر سے پرکھتے ہوئے پوچھا۔  
”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“ مومنہ بھولپن سے بولی۔  
”یہ سوچنے کی نہیں محسوس کرنے کی بات ہے ڈیر۔“ میڈم نے تصحیح کی۔  
”جذبات، احساسات وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں، رشتے بدلتے ہی جذبات احساسات سب محسوس ہوں گے۔“ میڈم کی بات پر مومنہ محض مسکرا کر رہ گئی۔  
اتوار کا دن بھی گیا۔

مومنہ پنک سوٹ میں ہلکے میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی، علی بھی موجود تھا، نیوی بلیو کرتا پہنے خوبرو لگ رہا تھا۔

صائمہ نے بے دلی سے مومنہ کو انگوٹھی پہنائی انکا بیٹا جن محبت بھری نظروں سے مومنہ کو دیکھے جا رہا تھا، انہیں مومنہ زہر لگ رہی تھی۔

میڈم، علی اور مومنہ کے لیے بیش قیمت گفٹ لے کر آئی تھیں۔  
کچھ دیر بعد سب کھانے وغیرہ میں مگن ہو گئے تو مومنہ اٹھ کر باہر صحن میں گئی، علی اس کے تعاقب میں آیا۔  
”مبارک ہو۔“ علی اس کے سامنے تھا۔  
”خیر مبارک۔“ مومنہ دھیمے سے بولی۔

”آج میں بہت خوش ہوں۔“ علی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، وہ حسن کی دیوی کو دیکھے جا رہا تھا۔  
”سچ پوچھو تو میں یہی دعا کر رہا تھا، جب سے امی نے کہا اس ہفتے تمہاری انگلی میں انگوٹھی پہنائیں گی تب سے میں بے چین ہو گیا اور چاہتا تھا جلد سے جلد یہ دن آ جائے، میرے نام کی انگوٹھی تمہاری انگلی میں آ کر اور بھی حسین ہو گئی ہے۔“ علی محبت کے احساس سے مغلوب ہو کر بولا، مومنہ شرمیلی مسکان لیے قدر جھک گئی۔  
”تم خوش ہونا؟“ علی نے پوچھا۔

”یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ مومنہ نے سراٹھایا۔  
”اس لیے کہ تم نے ہمیشہ میری محبت کو نظر انداز کیا، محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا۔“ علی کے انداز میں بے یقینی اور بے اعتمادی کا عنصر موجود تھا۔

”علی! اس وقت تم میرے کزن تھے، ہر بات اپنے وقت پہ اچھی لگتی ہے، جب وقت آئے گا تم میری محبت میں

کی نہیں پاؤ گے۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

مومنہ کے جواب نے علی کے چہرے پہ چڑھاؤں کر دیا، وہ بے حد مطمئن ہو گیا تھا، مومنہ کے چہرے پہ خوبصورت مسکراہٹ تھی، ایسی مسکراہٹ جس پہ وہ دل و جان سے فدا ہونے کو تیار تھا۔

”چلو، تم اب اندر جاؤ، سب نے کھانا کھا لیا ہوگا۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

”اگر نہ جاؤں تو؟“ مقابل نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مخمور لہجے میں کہا۔

”تو میں چلی جاؤں گی۔“ مومنہ نے فوراً جواب دیا۔

”تم وہی مومنہ ہو؟“ علی بد مزہ ہوا۔

”تم بھی وہی علی ہو، ہر وقت سر پہ سوار رہنے والے۔“ مومنہ نے چھیڑا۔

”غلطی کی منگی کے بجائے نکاح کروالیتا، کوئی جواز نہ ہوتا تمہارے پاس فرار کا۔“ علی نے آہ بھری۔

”جیسے میں تو تیار ہی تھی نکاح کے لیے۔“ مومنہ نے چڑایا۔

”اچھا جناب یہاں ہیں۔“ نمرابھی چلی آئی۔

”مبارکباد دینے آیا تھا۔“ علی بولا۔

”دے لی تو خالہ بلار ہی ہیں۔“ نمرانے پیغام دیا۔

”اوکے!“ علی مومنہ پہ اک نظر ڈال کے کھڑا ہو گیا تھا۔

”فون پہ اب تو بات کیا کرو گی؟“ جاتے جاتے علی کو خیال آیا تو مڑ کے پوچھا مومنہ چپ رہی، فونز کا لڑا سے

پسند نہیں تھیں مگر آج کے دن علی کی خوشی خراب کرنے کے لیے انکار نہیں کر سکتی تھی، اس لیے چپ رہی۔

”لڑکی کی خاموشی میں اقرار ہوتا ہے۔“ علی نے اسے بولنے پر اکسایا۔

”مشرقی لڑکی ہے ہماری۔“ نمرانے جواب دیا۔

”جناب آپ تشریف لیے جائیے ورنہ خالہ برہم ہو جائیں گی۔“ علی کمرے میں چلا گیا۔

”انگوٹھی دکھاؤ۔“ نمرانے کہا۔ مومنہ نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

انگوٹھی پرانی اور ہلکی تھی، نمراجیران ہوئی، اکلوتی، بہو کو یہ انگوٹھی جب کے پیسوں کا بھی مسئلہ نہیں تھا۔

”انگوٹھی تو خاص نہیں۔“ نمرامایوسی سے بولی۔

”کیا فرق پڑتا ہے ان چیزوں سے۔“ مومنہ بے نیازی سے گویا ہوئی۔

”فرق نہیں پڑتا مگر محبت ظاہر ہوتی ہے۔“ نمراسنجیدہ تھی۔

”یا سر بھائی کب جائیں گے؟“ مومنہ نے موضوع بدلا۔

”میں تاریخ کو۔“ نمراکے چہرے پر تفکر نمایاں ہوا۔

”تم بھی ساتھ چلی جاؤ؟“ مومنہ نے مفت مشورہ دیا۔

”نہیں، اتنی جلدی ممکن نہیں ہے۔“ نمرانے بتایا۔

”اب تم علی کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کرو، کزن کی طرح ٹریٹ کرتے ہوئے لڑنا مت۔“ نمراسکراتے ہوئے

اس کو ہچک کرنے لگی۔

”او کے۔“ مومنہ سعادت مندی سے سر ہلانے لگی۔

”تم بہت سمجھدار ہو، مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، اب اندر چلو پرانے زمانے کی ہیر و کن کی طرح چھپ گئی ہو۔“ نمر اکھڑی ہوئی۔

”میڈم نے کھانا کھا لیا؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”بہت جلدی خیال آ گیا آداب میزبانی کا؟“

”آج کے دن کیا میری بخشش نہیں ہو سکتی؟“ مومنہ جھنجھلائی۔

”ویسے مومنہ تمہاری میڈم تمہاری ذمہ داری، تمہاری حساس طبیعت کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔“ نمر امثال شکر

لہجے میں بولی۔

”یہ میڈم کا بڑا پن ہے وہ خود بہت خیال رکھتی ہیں، ان کی مہربان طبیعت کی وجہ سے میں یہاں اب تک

ہوں۔“ مومنہ ممنون تھی۔

دونوں باتیں کرتی اندر آئیں، میڈم اور صائمہ خالہ جانے کے لیے تیار تھیں۔ ان سے ملنے اور رخصت کرنے

کے بعد مومنہ نے برتن سمیٹے، نمرا نے کمرے کی صفائی کی تھی، مومنہ رات بارہ بجے کام پٹا کے تھکن سے نڈھال تھی اور لینتے ہی سو گئی۔

رات ایک بجے علی مومنہ کا نمبر ٹرائی کرتا رہا مگر مومنہ نیند کی پکی تھی، سو موبائل کی بیل نیند میں خلل نہ ڈال سکی۔

”مومنہ لگتا ہے تمہیں خوابوں میں پہنچنے کی جلدی تھی۔“ علی میسج کر کے سو گیا تھا۔

صبح روٹین کے کام پٹا کے میڈم کے پاس پہنچی تھی، نمرا بھی بارہ بجے واپس اپنے سسرال چلی گئی تھی۔

☆☆☆

صبح جلدی میں گھر سے نکلی تھی اس لیے مومنہ نے موبائل نہیں دیکھا، دن میں میڈم کے گھر موبائل دیکھا تو علی کی

مسد کا لڑا اور میسج دیکھا۔

”رات تھک گئی تھی اس لیے جلدی سو گئی تھی۔“ مومنہ نے جواب دیا خلاف توقع مگر پھر علی کے ایک کے بعد

ایک میسج آنے لگے، وہ بڑی تھی، بار بار موبائل کی ہپ پہ وہ میڈم کے سامنے شرمندہ ہوئی موبائل سالنٹ پہ لگا دیا تھا۔

”یہ علی صاحب جاب وغیرہ نہیں کرتے؟“ میڈم نے چھیڑا۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے۔“ مومنہ شرمندہ ہوئی۔

”خیر آج کل کے لڑکے مگنی کے بعد فونز پہ اسی طرح ہی بڑی ہو جاتے ہیں اور علی تو ویسے ہی تم سے محبت کرتا

ہے۔ میڈم نے مومنہ کے سرخ بڑتے چہرے کو دیکھ کر وضاحت کی تھی۔“

”علی! پلیز میں ڈیوٹی پہ ہوں اور بڑی ہوں۔“ مومنہ نے کچھ دیر بعد میسج کیا۔

”تو کیا ہوا، میں بھی ڈیوٹی پہ ہوں، ہینڈ فری لگا کے بات کرو۔“ علی نے لکھا۔

”کیا بات؟ ابھی کل ہی تو تم ملے ہو؟“ مومنہ جھنجھلائی۔

مومنہ نے فونز کا لڑک کو کبھی پسند نہیں کیا تھا لیکن علی کا وہ لحاظ کر رہی تھی لیکن علی اس کی مجبوری نہیں سمجھ رہا تھا۔

”مجھے بیس ہزار کام کے ملتے ہیں۔“ مومنہ نے سوچا اور کام میں بڑی ہو گئی اسے کچن میں ختم تمام سودا سلف کی



لسٹ، یعنی تھی، میڈم کی میڈلین ڈرائیور سے منگوانی تھی، آج میڈم کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھی جانا تھا، مومنہ نے آج کے کام یاد کیے، فری ہوتے ہوتے اسے چھینج گئے تھے، وہ بھی میڈم نے اسے ڈراپ کر دیا تھا۔

”امی! علی آج سہراؤن فون اور بیج کرتا رہا، میں نے بتایا کہ میں ڈیوٹی پہ ہوں، میڈم کیسا سوچتی ہوں گی“ مومنہ کو اپنی ریپویشن کی فکر تھی، سو اس نے آتے ہی ماں سے کہا۔

”تم اسے آرام سے سمجھا دینا، جذباتی ہے۔“ امی نے نرمی سے کہا۔

”سمجھنے والوں میں سے لگتا نہیں۔“ مومنہ بڑبڑائی۔

”میں ناراض ہوں“ بیج آیا۔

”کیوں؟“ مومنہ نے ٹائپ کیا۔

”تم مجھے انور کر رہی ہو۔“ علی نے شکوہ کیا۔

”نہیں علی میں نے تمہیں بتایا تھا میں ڈیوٹی پہ تھی، مجھے اچھا نہیں لگتا کام کے دوران بار بار فون دیکھنا، موبائل

بیک میں ہوتا ہے۔“ مومنہ نے وضاحت کی۔

”میں کچھ نہیں جانتا، تمہیں میرے لیے وقت نکالنا ہوگا۔“ اس کے انداز میں دھونس تھی۔

مومنہ بے بسی سے موبائل دیکھ کر رہ گئی تھی، مومنہ نے اپنی گریجویشن مکمل کرنے کا سوچا تھا، اس لیے رات میں اسٹڈی شروع کر دی تھی، اس کی مصروفیت بے حد بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

عمر ولید کے آنے میں صرف ایک دن تھا، میڈم نے از سر نو عمر ولید کا کمر ایٹ کروایا، مومنہ میڈم کے ساتھ بہت مصروف تھی۔

”میں کل ایئر پورٹ میں جاؤں گی، تم بھی چلنا سر پرانز دیں گے۔“ میڈم کے چہرے پہ بے جوش نمایاں تھا۔

”نہیں میرا جانا کچھ مناسب نہیں لگتا۔“ مومنہ نے معذرت ظاہر کر دی۔

”کیوں؟“ میڈم کے چہرے پہ حیرت کے آثار نمایاں ہوئے۔

”پلیز میڈم!“ مومنہ نے لجاجت سے کہا۔

”اوکے۔“ وہ مومنہ کو کافی حد تک جان گئی تھی۔

”کس وقت کی فلائٹ ہے؟“ مومنہ نے سیب کی قاشیں بنائیں۔

”دن دو بجے کی ہے۔“ میڈم نے کھاتے ہوئے کہا۔

”روٹی کو لے جاؤ۔“ مومنہ نے تجویز دے دے ہوئے کہا۔

”گڈ آئیڈیا۔“ میڈم نے سراہا۔

”کل تو کافی لوگ تھوں گے آپ کے گھر؟“ مومنہ جھمکی۔

”ہاں کل تم چھٹی کر لینا، پرسوں آ جانا۔“ میڈم نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔

”تھینک یو سو مچ۔“ مومنہ ممنون ہوئی۔

”آج کچھ زیادہ کام ہے۔“ میڈم فکر مند ہوئیں۔

”آپ بے فکر رہیے سب انتظامات ہو جائیں گے، میں سب کام مکمل کر کے ہی جاؤں گی۔“ مومنہ نے تسلی

دی۔

”شکریہ۔“ میڈم کی آنکھوں میں تشکر تھا۔

پھر واقعی رات نو بجے تک مسلسل کام کرنے کے بعد کام اختتام پذیر ہوئے، امی کو فون کر کے اس نے بتا دیا تھا، علی کو بیچ کر دیا تھا، رات کو میڈم نے اصرار سے کھانا اپنے ساتھ کھلا کے اسے خود ڈرائیور کے ساتھ ڈراپ کیا تھا، آج وہ واقعی بہت تھک گئی تھی، سونے سے پہلے بمشکل علی کو دو بیج کیے اور نیند کی وادیوں میں اتر گئی، صبح علی اس کے سامنے تھا۔

”بڑی بے مروت ہو۔“ گلہ کیا گیا۔

”تم بڑے نادان ہو۔“ مومنہ نے شکوہ کیا۔

”چائے بناؤں، ناشتہ کیا ہے؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”صرف چائے پیوں گا، مجھے کام سے جانا ہے۔“ علی نے گھڑی دیکھی۔

”آج کا دن اچھا گزرے گا۔“ علی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا، مومنہ خاموش رہی۔

”اور تمہارا دن کیسا گزرے گا؟“

”اللہ کا شکر ہے میرا تو ہر دن ہی اچھا گزر جاتا ہے۔“ مومنہ سادگی سے بولی تھی۔

”آج تمہیں میں ڈراپ کر دوں گا۔“ علی نے پیشکش کی تھی۔

”نہیں آج میری چھٹی ہے۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”کیوں؟“ علی نے وجہ جاننی چاہی۔

”آج سائرہ میڈم کا بیٹا امریکہ سے آ رہا ہے“ مومنہ نے سچائی بیان کی۔

”مومنہ! امی کو اور مجھے تمہارا جواب کرنا پسند نہیں ہے۔“ علی ٹھہر کے بولا، مومنہ نے بے حد حیرت سے اسے

دیکھا، وہ بہت بخشیدہ تھا۔

”علی! میں یہ جاب شوقیہ نہیں کر رہی، تم جانتے ہو، سب حالات سے واقف ہو، مجھے تم سے کم از کم ایسی امید

نہیں ہے۔“ مومنہ نے تاسف سے کہا۔

”آئی نو، بس ویسے ہی کہہ دیا تھا۔“ علی نے مومنہ کے چہرے پہ تکلیف کے آثار دیکھے تو ڈراشرمندہ ہو گیا۔

چائے پی کر علی چلا گیا تو اس نے گھر کی تفصیلی صفائی کا فیصلہ کیا، صفائی کرنے کے بعد نہادھو کر فریش ہوئی، اس نے کھانا بنایا تھا، دونوں نے مل کر کھانا کھایا، اس کے بعد مارکیٹ سے سودا سلف لائے تھے، عصر کی نماز کے بعد اس نے سوٹ سلائی کرنا شروع کیا تھا، رات گئے اس نے اپنا سوٹ مکمل کر لیا تھا، امی کئی دن سے کہہ رہی تھیں کہ وہ سوٹ سلا کر لے، مگر شام کو آنے کے بعد اس کا دل نہیں کرتا تھا۔

صبح سو کے انھی تو بارش کا موسم تھا، اس کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا تھا، وہ بچپن سے اس موسم کی دیوانی تھی،

دیر بعد وہ تیار ہو کر اپنی ڈیوٹی پر چلی گئی، میڈم کے گھر پہنچی تو ملازمہ رشیدہ نے بتایا، سب سو رہے ہیں، رات دیر تک جا

تھے، وہ اخبار لے کر میڈم کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر لان میں آئی، موسم کی دلفریبی کے احساس سے وہ لان میں بیٹھ گئی، سیاہ سرمئی رنگ

ڈھیر سارے بادل، زمین و آسمان کا بدلا ہوا معطر رنگ، خوشبودار ہوا اور انتہائی باریک بوندوں کی سرسراتی چادر۔

”اللہ! بارش ہو رہی ہے۔“ مومنہ نے خوشی سے سوچا، موسم کی سحر انگیزی نے اسے سب بھلا دیا تھا، بوندیں بہت ہلکی اور کبھی کبھار محسوس ہو رہی تھیں، عمر ولید سو کر اٹھا، آج کا شیڈول بہت بڑی تھا، نہا کر چھینچ کر کے آیا، ملازمہ نے بلیک کافی اسے لا کر دی، اک عرصے سے گھر کے ملازم عمر ولید کی روٹین سے آگاہ تھے۔

میڈم ابھی تک سو رہی تھی، دیر تک جاگنے کے باعث ان کا پی پی گڑ بڑ کر رہا تھا، رات میڈیسن بھی نہیں لی تھی، وہ کافی کا کپ لے کر ٹیبل پر آیا، اچانک اس کی نظر لان میں موسم کا لطف اٹھا تو مومنہ پر پڑی وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ مومنہ نے ہاتھ بھلا کر بوندوں کو اپنی گلابی تھیلی میں سمیٹا۔

برستی بارش تھی اور خاموشی، اس کی گرفت میں ایک نازک بھیگا سا لمحہ تھا وہ اس کے سامنے تھی جو بے خبری میں اس کی زیست کا عنوان بن گئی تھی۔

”کاش میں یہ لمحہ چرا لوں۔“ ایک شدید خواہش عمر ولید کے دل میں جا گئی تھی۔

باحیثیت، بااختیار ہر طرح کے جاہ جلال، حشمت دولت کے باوجود عجیب سی لائقیت، بے نیازی اس کی شخصیت میں چھلکتی تھی، اس عزت، مرتبے، روپے پیسے کے باوجود اپنی ذات میں گم، اصول پسند تھا، دھن دولت سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔

یہ عمر ولید تھا، سارہ ولید کی اکلوتی اولاد، کسی دلفریب خیال نے لبوں پہ دلکش مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ مومنہ بدستور خود میں مگن تھی، اس کی بے نیازی عمر ولید کو بھلی لگ رہی تھی۔

ٹپ..... ٹپ..... ٹپ موٹی بوندیں ٹپکیں اور وہ بھاگ کر ٹیبل کے نیچے آن کھڑی ہوئی تھی، وہ بہوت سا اسے دیکھ رہا تھا، اس کی کافی میں بوندیں گر رہی تھیں، وہ بھیگ رہا تھا۔

بال پیشانی سے چپک گئے تھے مگر وہ جیسے ہر احساس سے عاری ہو چکا تھا، سارے جذبے سمٹ کر آنکھوں میں سمٹ آئے تھے، اسے لگ رہا تھا، جیسے ساری دنیا میں بس اس کا چہرہ ہے، وہ اک چہرہ جو ساری کائنات تھا، وہ لان سے کب کی جا چکی تھی، اسے کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی۔

آج کا دن اس کے لیے بہت اہم تھا، آج اسے آفس میں کچھ خاص لوگوں سے ملنا تھا، ایک دو جگہ کام کے سلسلے میں جانا تھا، وقت کم اور کام زیادہ تھا، مگر وہ سب بھول گیا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا، کس سے ملنا تھا، یاد تھا تو وہ چہرہ، جو پہلی نظر میں اس کے حواسوں پہ چھا گیا تھا۔

☆☆☆

صائمہ خالہ کا فون آیا تھا اس کے نمبر پر پہلی مرتبہ، انہوں نے آج گھر پہ قرآن خوانی رکھی تھی، اچانک پروگرام بنا تھا سو اس کو بلایا تھا، وہ چاہ رہی تھیں مومنہ جلدی سے آ کر گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بنائے۔

ان کی دعوت پہ مومنہ حیران ہو گئی تھی کل بھی چھٹی پر تھی پھر آج کیسے، تاہم ڈیوٹی چھوڑ کے میڈم سے معذرت کر کے وہ گھر واپس آئی اور امی کو لے کر صائمہ خالہ کے گھر پہنچیں۔

نیوی بلیو گرم سوٹ اور گرے گرم شال میں وہ بے حد اجلی لگ رہی تھی، صائمہ نے ناگواری سے ایک نظر اس کے دلکش سراپے پہ ڈالی تھی۔

”اچھا ہوا تم جلدی آگئی، مجھے بے حد پریشانی ہو رہی تھی، ملازمہ چھٹی کر گئی ہے، اچانک۔ کھانا تو باہر سے ہی آئے گا، مگر سب کو کھلانا اور انتظامات دیکھنا یہ تم کر لینا۔“ انہوں نے جلدی بلانے کا مقصد بیان کیا، مومنہ چپ رہی۔

”چائے پیو گی؟“ وہ اب صالحہ سے مخاطب تھیں۔

”نہیں۔“ صالحہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”علی کہاں ہے؟“ صالحہ نے پوچھا۔

”وہ آفس میں ہے، جلدی آجائے گا۔“ صائمہ نے مصروف انداز میں گھڑی دیکھتے ہوئے بتایا۔

”میں ذرا ماکیت سے ہواؤں، کچھ ضروری کام ہے۔“ صائمہ بولیں۔

”مومنہ! تم ذرا لان کی صفائی دیکھ لو۔“ وہ جاتے جاتے رک کر بولیں۔

”جی، بہتر۔“ مومنہ نے ایک نظر اپنے بہترین سوٹ پہ اور ایک نظر کھڑے لان پہ ڈالی۔

”امی! میں خواجواہ یہ سوٹ پہن کر آگئی، ابھی صفائی کرتے خراب ہو جائے گا۔“ مومنہ جھلائی۔

”تمہیں کیا پتہ تھا کہ کام کرنے پڑیں گے۔“ صالحہ سادگی سے بولی تھیں۔

”خیر مجھے تو حیرت ہو رہی تھی خالہ نے مجھے خود کال کی تھی۔“ مومنہ مسکرائی۔

”تمہارا اپنا گھر ہے کل بھی تمہیں سنبھالنا ہے۔“ علی نے جواب دیا جو نجانے کب آ گیا تھا، مومنہ دیکھ کے رہ گئی تھی۔

”مومنہ!“ کچھ دیر میں وہ بھی لان میں آ گیا۔

”سر میں درد ہے چائے بنا دو گی؟“ علی نے پوچھا۔

”میں۔“ وہ کچھ الجھکی۔ اس گھر سے اسے انسیت نہیں رہی تھی، وہ مانوس نہیں تھی، بہت کم آئی تھی۔

”خالہ آجائیں تو بنا دیں گی، میں مصروف ہوں۔“ اس نے بہانہ کر دیا۔

”مومنہ پلیز، امی نجانے کب آئیں گی، تمہارے ہاتھوں کی چائے پینا چاہتا ہوں۔“

”علی! خالہ کیا سوچیں گی۔“ مومنہ بے بسی سے بولی۔

”کچھ نہیں، تم اٹھو۔“ علی بضد تھا، اس نے بالآخر چائے بنا دی۔

”تھینک یو، آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ علی بولا۔

مومنہ چائے کے برتن دھونے لگی۔ صائمہ مارکیٹ سے واپس آئیں تو مومنہ کو لان میں نہ دیکھ کر حیران ہوئیں مگر پھر کچھ سوچ کر اندر آئیں تو علی کو چائے کا گم لیے مومنہ کو دیکھ کر انہیں غصہ آ گیا مگر غصے کی اہر کو دبا کر مسکرائے ہوئے بولیں۔

”مومنہ! تم یہاں علی کی خدمت کر رہی ہو، میں سمجھی نجانے کہاں گئی۔“ مومنہ چپ رہی۔

”امی! آپ کہاں گئی تھیں؟“ علی نے موضوع بدلا۔

(کیا علی یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے سر میں درد تھا، اس نے اصرار کر کے چائے بنوائی تھی) مومنہ نے۔

دلی سے سوچا۔

پھر سارا دن کام کرتے ہوئے گا ہے بگا ہے صائمہ خالہ کے بیٹھے بیٹھے طنز اسے سننے کو ملے، رات تک وہ کامو

سے فارغ ہوئی، تھکن سے برا حال تھا، رات کو علی انہیں چھوڑنے آیا تھا۔

”مومنہ! چپ چپ ہو بیٹا، کیا بات ہے؟“ امی نے گھر آ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں، سر میں درد ہے ذرا، نیند آ رہی ہے۔“ مومنہ کمرے میں آئی، کپڑے چنچ کر کے لیٹ گئی، دل اداس

تھانہ جانے کیوں اسے خالہ کا رویہ عجیب لگا تھا یوں لگ رہا تھا کہ وہ اسے ایک ملازمہ سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہیں۔

”مومنہ آج تمہارا گھر آ کر ذمے داری سے کام کرنا بہت اچھا لگا۔“ کچھ دیر بعد آنے والا علی کا بیج اس نے بے

دلی سے پڑھا اور صائمہ خالہ کے رویے پر کڑھتے کڑھتے سو گئی تھی۔

صبح ٹھی تو خلاف توقع تھکن سے جسم ٹوٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا، سر بھاری تھا، اس نے فجر کی نماز کے بعد چائے کا

ایک کپ پیا۔

آج اس کا میڈم سائرہ کی طرف جانے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر مجبوری تھی جانا تھا بے دلی سے الماری

سے بے بی پنک سوٹ نکالا، پونی بنائی اور بیگ لے کر نکل آئی۔

سائرہ میڈم ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ بڑی تھیں، ملازمہ نے اس کے استفسار پر بتایا۔

مومنہ بے دلی سے لان میں بیٹھ گئی، لان کی دھوپ دیا اس وقت بھلی لگ رہی تھی، موبائل پہ ہونے والی ہپ

نے اسے موبائل کی جانب متوجہ کیا، علی کا گڈ مارٹنک کا بیج پڑھ کر اس نے موبائل ساکنٹ پر لگا دیا۔

اتنے میں ملازمہ نے میڈم کا پیغام دیا وہ اسے بلارہی تھیں، وہ بے حد جھج محسوس کرتی تھی اجنبی لوگوں میں مگر

میڈم کے حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”میں تمہیں اپنی پیاری سی بنی بیگ دوست سے ملواتی ہوں۔“ میڈم اپنی قریبی دوست شمع سے مخاطب تھیں۔

”لو بھئی میری دوست سے ملو یہ ہے مومنہ جاوید۔“ میڈم نے کہا۔

”مومنہ جاوید..... مومنہ جاوید..... مومنہ جاوید۔“ عمر ولید کے ذہن میں بس ایک ہی نام کی تکرار ہو رہی تھی اور

اس کے ساتھ ساتھ لاشعوری طور پر دل کی ہر دھڑکن میں مومنہ جاوید کو دیکھنے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

”السلام علیکم!“ مومنہ نے سب کو مشترکہ سلام کیا، عمر ولید چونک کر متوجہ ہوا، اس کی نظریں مومنہ جاوید پہ اٹھی

تھیں اور پھر جھکنا اور جھپکنا بھول گئی تھیں، اس وقت وہ اس سے بے حد کم فاصلے پہ تھی، بے حد واضح تھی۔

پہلی بار میسر سے بارش میں لان میں فاصلے سے دیکھا تھا، لیکن آج ڈرائنگ روم کی تمام فینسی لائٹس بھی روشن

تھیں اور اب اس کا اک اک نقش بہت صاف اور واضح تھا۔

”وعلیکم السلام! آؤ مومنہ تمہارا بنی انتظار تھا۔“ میڈم نے شفقت سے کہا اور پاس بٹھایا۔

”ماشاء اللہ تمہاری بنی دوست تو بہت پیاری ہے۔“ شمع نے کہا۔

میڈم مسکرائیں۔

”مومنہ! یہ میری اکلوتی بیٹ فرینڈ شمع اور یہ میرا اکلوتا بیٹا عمر ولید۔“ میڈم نے دونوں کا تعارف ایک ساتھ

کروایا۔

”السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟“ عمر نے اپنائیت سے سلام کرتے ہوئے حال پوچھا۔

”وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔“ شمع نے ہنس بھینس کر کہا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”ایکسیکوزی میڈم! میں ذرا باہر ہوں، کچھ کام ہے۔“ مومنہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، شمع بغور اسے دیکھے جارہی تھیں جس سے مومنہ کینیوڈ ہو رہی تھی۔

مومنہ کیا باہر گئی، عمر کو لگا چہ انگوں میں روشنی ہی نہ رہی، کچھ دیر تو وہ وہاں غائب دماغی سے بیٹھان کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرتا رہا مگر پھر وہ بھی اٹھ کے آ گیا، اس کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں وہ لان میں بیٹھی نظر آ گئی تھی، وہ تیز تیز لے لے ڈگ بھرتا راہداری عبور کر کے باہر آیا۔

وہ اس کے پاس بے خودی کی کیفیت میں بڑھتا گیا، وہ نہیں جانتا تھا وہ کیوں اس کے پاس جا رہا ہے۔

”کیا کر رہی ہیں آپ؟“ اب جب سامنے آ ہی گیا تو کچھ کہنا بھی تھا۔  
وہ موبائل میں گیم کھیل رہی تھی چونک کر قدرے حیرت سے اسے دیکھنے لگی مگر پھر لمحے میں سنبھل کے نارمل ہو گئی۔

”کچھ نہیں یونہی ادھر آ کر بیٹھ گئی تھی۔“

”آپ اندر سے کیوں اٹھ کے آ گئی؟“ عمر نے پوچھا۔

”بس میڈم اپنی دوست کے ساتھ باتوں میں بڑی تھی تو میں وہاں بیٹھ کر کیا کرتی۔“ مومنہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔“ عمر ولید نے دھیمے سے کہا۔

”کس لیے؟“ مومنہ حیران ہوئی۔

”آپ نے میری امی کا بہت خیال رکھا، انہیں آپ کی وجہ سے تنہائی کا احساس نہیں ہوا، آپ بہت اچھے ہیں۔“ عمر ولید بے حد ممنون نظر آ رہا تھا۔

”یہ میرا فرض تھا، میں نے اپنی ڈیوٹی محض ایمانداری سے انجام دی اور میڈم بھی بہت اچھی ہیں انہوں نے میرے بھی بہت خیال رکھا۔“ مومنہ بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”میری زندگی میں سب سے اہم میری ماما ہیں، میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ عمر ولید بولا۔

”اپنی ماماں سب کو ہی بہت پیاری ہوتی ہے۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”ہاں مگر کچھ مائیں اولاد کے لیے زیادہ قربانیاں دیتی ہیں۔“ عمر ولید نے وضاحت دی۔

اس دوران عمر کے نمبر پر روبی کا ٹک لکھا آ رہا تھا، عمر نے کال ریجیکٹ کر دی تھی، کچھ دیر بعد ماما کا نمبر آیا۔  
کچھ دیر بعد سائرہ میڈم نے اسے بتایا کہ ان کا اچانک روبی کے گھر جانے کا پروگرام بن گیا ہے، لہذا وہ بھی آ گھر چلی جائے۔

”ٹھیک ہے۔“ مومنہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اوکے میں ڈرائیور سے کہتی ہوں، تمہیں ڈراپ کر آئے۔“ میڈم بولیں۔

ڈرائیور نے اسے گھر کے دروازے کے سامنے اتارا تھا، اس نے بڑے ست انداز میں دستک دی تھی مگر دوسری طرف دروازہ کھولنے میں اتنی ہی پھرتی دکھائی دی تھی۔

”السلام علیکم!“ نمر اکود دیکھتے ہی اس کی ساری سستی ختم ہو گئی۔

”وعلیکم السلام! دیکھو تمہیں یاد کر رہی تھی تم جلدی آگئی، ورنہ رات میں، میں نے چلے جانا تھا۔“ نمر خوش دلی سے بولی۔

”میرا بیج مل گیا تھا؟“ نمر نے پوچھا۔

”کون سا بیج؟“ مومنہ نے موبائل دیکھا نہیں تھا گاڑی میں۔

”جس میں، میں نے آنے کا بتایا تھا۔“

”اچھا! نہیں میں نے نہیں پڑھا، لیکن دیکھو پھر بھی جلدی آگئی، تم کس کے ساتھ آئی ہوں؟“ مومنہ نے چادر اتار کے دوپٹہ گلے میں ڈالا۔

”یاسر ڈراپ کر گئے تھے۔“

”کل خالہ کے گھر گئی تھیں؟“ نمر نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

”جی! خالہ کی ملازمہ چھٹی کر گئی تھی، اس وجہ سے خالہ کو میری یاد آ رہی تھی،“ مومنہ تلخ ہوئی۔

”تم دل برا مت کرو، علی تو تم سے کتنا پیار کرتا ہے۔“

”پیار چھپ چھپ کے ہی کرتا ہے، اپنی امی کے آگے ہیکلی بلی بن جاتا ہے۔“ مومنہ نے طنز کیا۔

”ہیکلی بلی بننا تو ممکن کیسے کروا تا۔“ نمر نے یاد دلایا۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ مومنہ کا موڈ کل سے بے حد خراب تھا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا، پریشان مت ہو، یہ بتاؤ تمہاری میڈم اور انکے صاحبزادے کا کیا حال ہے؟“ نمر نے موضوع بدلا۔

”میڈم ٹھیک ہیں، ان کا بیٹا بھی ٹھیک ہے، آج وہ لوگ روہی کے گھر جا رہے ہیں۔“ مومنہ نے بتایا۔

”تب ہی تم جلدی آگئی مومنہ۔“ نمر ابولی، مومنہ نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

”میں بچنے کا طرہ لے کر آتی ہوں، تمہیں پسند ہے نا۔“ نمر نے اس کا موڈ خوشگوار کرنا چاہا۔

”میں کپڑے چنچ کر کے آتی ہوں۔“ مومنہ مسکرائی، نمر نے اطمینان سے جاتی مومنہ کو دیکھا، خالہ صائمہ کا

رو یہ بعض اوقات اسے بھی دکھ میں مبتلا کر دیتا تھا۔ مگر اسے علی کی مومنہ کے لیے محبت پہ ناز تھا، وہ بہت خوش تھی، علی اس کے لیے سکے بھائی جیسا تھا۔

امی کے پاس بڑی مامی کا فون آیا تھا، وہ فون سن رہی تھیں، مومنہ اور نمر اکچن میں پلاؤ اور شامی کباب بنا رہی تھیں۔

نمر امی کے پاس چلی گئی، امی کا چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا، وہ بڑی پریشان حال دکھائی دے رہی تھیں، نمر ان کی حالت دیکھ کے پریشان ہو گئی۔

”امی! کیا ہوا خیریت ہے؟“ نمر نے تشویش سے کہا۔

”ہاں تم نے کیا بنایا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”میں پلاؤ بنا رہی ہوں، آپ کو بتایا تو تھا۔“ نمر نے جواب دیا۔

”اچھا بھول گئی تھی۔“ انہوں نے سادگی سے کہا تھا۔

”امی! آپ مجھے کھوئی کھوئی لگ رہی ہیں۔ کیا بات ہے؟“ نمرانے محبت سے ان کا ہاتھ تھاما۔  
 ”بڑی بھابھی کا فون آیا تھا، وہ کہہ رہی تھیں کہ صائمہ بتا رہی تھی کہ مومنہ نے علی سے کہا ہے کہ وہ رشتہ بھیجے، علی نے مومنہ کے کہنے پر ضد کی جس کی وجہ سے انہیں مجبوراً مومنہ کے لیے رضامند ہونا پڑا، ورنہ مومنہ انہیں کبھی پسند نہیں تھی۔“ نمرانے میں رہ گئی۔

”امی! یہ سراسر جھوٹ ہے۔“ وہ دکھ سے چلائی۔  
 ”میں جانتی ہوں، میری بیٹی بہت معصوم اور باکردار ہے۔“ امی نے مضبوط انداز میں کہا تھا۔  
 ”صائمہ خالہ غلط کر رہی ہیں۔“ نمرانے غصے سے کہا۔  
 مومنہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی، نمراکا آخری جملہ اس نے سن لیا تھا۔  
 ”اگر مومنہ سے اتنی چڑ ہے تو منگنی کیوں کی۔“ امی نے تاسف سے کہا۔  
 ”امی! ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں“ نمراکا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا، باہر کھڑی مومنہ کا ذہن الجھ گیا، اسے سمجھ نہیں آئی کس وجہ سے دونوں ایسی باتیں کر رہی ہیں۔  
 ”نمرامومنہ کو مت بتانا، وہ پہلے ہی میلادوالے دن سے کچھ بھیجی بھیجی ہے اور بدگمان ہو جائے گی۔“ امی نے تنبیہ کی۔

”جی امی جانتی ہوں“ نمرابے دلی سے بولی، مومنہ دبے قدموں واپس کچن میں آ گئی۔  
 ”تم اندر جا کر ہی بیٹھ گئی تھیں؟“ مومنہ نے نمراکو دیکھ کر نارل انداز میں کہا۔  
 ”ہاں امی سے باتیں کرنے لگ گئی تھی۔“ نمرانے مصالحتیاری کرنا شروع کیا۔  
 ”اتنی خاص کون سی بات تھی جو تم چاول یونہی چھوڑ کے چل دی۔“ مومنہ نے دریافت کیا۔  
 ”کچھ نہیں، تم اتنی تفتیش کیوں کر رہی ہو؟“ نمراجھلائی۔  
 ”کیونکہ مجھے لگ رہا ہے میرے حوالے سے بات ہو رہی تھی، اس لیے صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟“ مومنہ نے اٹل انداز میں کہا۔  
 ”تمہاری رائے صائمہ خالہ کے متعلق اتنی غلط بھی نہیں ہے، وہ واقعی کچھ عجیب سی ہیں۔“ نمرابولی۔  
 ”کچھ.....“ مومنہ نے طنز سے کہا۔  
 ”خیر تم پروا مت کرو، ایسا رشتوں میں اکثر ہوتا ہے۔“ نمرانے تسلی دی تھی۔ مومنہ جواباً خاموش رہی تھی، کوئی بات اسے مسلسل الجھا رہی تھی۔

”ایسے کرتی ہوں، آج علی کو بھی رات میں بلا لیتی ہوں کھانے پر۔“ نمرانے کہا۔  
 ”مرضی ہے تمہاری۔“ مومنہ کباب بناتے ہوئے بولی۔  
 ”ویسے تمہارے ہاتھ کے کباب میری ساس کو پسند ہیں۔“ نمراکو یاد آیا۔  
 ”ٹھیک ہے جاتے ہوئے آنٹی کے لیے بھی لے جانا۔“ مومنہ خوشدلی سے بولی۔  
 علی نمبر لٹائی کر کے تھک گیا تھا، مگر مومنہ کچن میں تھی، ادھر علی کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔  
 ”نجانے کس فضول جاب میں خود کو مصروف کیا ہوا ہے؟“ علی نے تپ کے نتیجے کیا۔



”اسی جاب سے گھر کی دال روٹی عزت سے چل رہی ہے۔“ مومنہ نے کچھ دیر میں رستہ لائے کیا۔

”کہاں تھی؟“ علی کا موڈ بے حد خراب ہوا جواب پڑھ کر۔

”کچن میں تھی اور پھر کچن میں جا رہی ہوں۔“ مومنہ نے لکھ کر سینڈ کیا اور موبائل رکھ کر کباب فرانی کرنے کچن

میں چلی آئی، علی کو اس کی بیگانگی قطعی نہیں بھاری تھی، نمرانے رات میں فون کر کے بلایا تو ناراضی کے باوجود آ گیا۔

”تم نے بلایا ہے اس لیے آیا ہوں۔“ مومنہ کو سناتے ہوئے نمرانے مخاطب ہوا تھا۔

”کھانا بہت لذیذ ہے، کباب تم نے بہت اچھے بنائے ہیں۔“ علی نے نمرانے کی تعریف کی۔

”کباب مومنہ نے بنائے تھیں“ نمرانے کے انکشاف پہ چونک کر اس نے مومنہ کو دیکھا، جو بے نیازی سے بیٹھی

موبائل پر ٹیم کھیل رہی تھی، علی نے بغور اسے دیکھا، اس کی نگاہوں کی پیش مومنہ محسوس کر گئی تھی، تب ہی موبائل رکھ کر سائیڈ پر رکھی چیئر پہ بیٹھ گئی تھی۔

”مومنہ! تم مجھے انور مت کیا کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“ علی کچھ دیر بعد اصل مدعا پر آیا۔

”علی! میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا ہے، میں جاب کرتی ہوں اور اپنی ڈیوٹی کے دوران مناسب نہیں لگتا بار بار

منہج کرنا مگر پھر بھی میں ضروری باتوں کے جواب دے دیتی ہوں۔“ مومنہ نے رسان سے کہا۔

”مومنہ وہاں اپنا کام بہت ذمہ داری سے انجام دیتی ہے۔“ نمرانے سراہا۔

”ہاں وہ کام بھی جو اس بکے ذمے داری نہیں ہے۔“ علی نے تلخی سے کہا، نمرانے حیرت سے علی کو دیکھتی رہ گئی۔

”امی کو تمہاری جاب پہ اعتراض ہے۔“ علی نے اسے احساس دلانا چاہا۔

”مجھے حیرت ہے خالہ سب جانتے بوجھتے اعتراض کا حق رکھتی ہیں، کیا انہیں زیب دیتا ہے، ہمارے حالات

سے واقف ہوتے ہوئے اعتراض کرنا، ان سے زیادہ مجھے تم پہ تاسف ہوتا ہے۔“ مومنہ نے سلگتے ہوئے کہا، اس کے لہجے

کی تلخی علی کو مزید کہنے سے روک رہی تھی، علی نے اس کے چہرے کو دیکھا، جہاں ناگواری کے تاثرات تھے۔

”اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟“ علی نے لہجے کو نارمل کیا۔

”میری جگہ تم ہوتے مجھ سے زیادہ غصہ کرتے۔“ مومنہ نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

”تم، لوگ کس بحث میں پڑ گئے، مومنہ تم چائے بنا کے لاؤ اور علی تم پہ کھیر تو کھا لو۔“ نمرانے ماحول کی گرمی کم

کرنے کے لیے موضوع بدلاتھا، مومنہ خاموشی سے کچن میں آ کر بے دلی سے چائے بنانے لگی تھی۔

نمرانے ماحول میں کشاف کم کرنے لگی تھی، ادھر ادھر کی باتوں سے اور کچھ دیر میں کامیاب ہو گئی تھی، علی نارمل ہو گیا

تھا۔



عمر ولید آفس میں کام کرتے کرتے مومنہ کے اچانک آنے والے تصور سے چونک کر آنکھیں بند کر کے اسے

سوچنے لگا، مومنہ پہلی نظر میں اس کی محبت بن گئی تھی۔

”کیا وہ میری ہو سکے گی؟“ عمر ولید نے سوچا۔

”مومنہ! تمہاری شادی ہونے والی ہے، میں چاہتی ہوں تم اب یہ جاب مت کرو، اگر خدا نخواستہ اس جاب کی

بھٹک تمہاری خالہ کو مل گئی تو وہ بات کا بیٹنگو بنانے والی ہیں۔“ سائرہ میڈم نے سوچتے ہوئے کہا، پھل کاٹتی مومنہ چونک گئی۔

”تم میری بیٹی ہو، اپنے فائدے کے لیے تمہارا نقصان نہیں کر سکتی، میں اتنی خود غرض نہیں ہوں۔“ میڈم نے

کہا۔

”مم..... میڈم پھر میں کہاں جاؤں گی۔“ بے ساختہ مومنہ کے منہ سے نکلا تھا۔

”اس کا صلہ ہے میرے پاس، عمر ولید کے آفس میں۔“ میڈم نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

”آفس میں، کیا کام؟“ مومنہ گھبرا گئی۔

”پریشان مت ہو، تم سب کر سکتی ہو۔“ میڈم نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا، میڈم کی محبت اور ان کی فکر مندی پہ

مومنہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔

”میڈم! میں آپ کے پاس خوش ہوں۔“ مومنہ جذباتی ہوئی تھی۔

”تم جب چاہو مجھ سے ملنے آ سکتی ہو، ہمارا تعلق نہیں ٹوٹے گا۔“ میڈم رسان سے بولیں۔

”میں تمہاں نہیں ہوں، عمر ہے میرے پاس۔“ مومنہ تذبذب کا شکار تھی۔

”کچھ مت سوچو، صبح تمہیں نو بجے ڈرائیور تمہارے گھر سے پک کر لے گا، تم کل سے آفس جوائن کر رہی

ہو۔“ میڈم نے قطعیت سے کہا۔

”میں آپ کے احسانات کبھی نہیں بھلا پاؤں گی میڈم۔“ مومنہ نے تشکر سے کہا اور ایک مرتبہ پھر آنسو بہنے

لگے۔

”میں تمہاری محبت اور خدمت کی مقروض ہوں، مجھے شرمندہ مت کرو۔“ انہوں نے محبت سے مومنہ کو گلے لگایا

تھا۔

گھر میں نمرا اور امی کو بے حد خوشی ہوئی میڈم لاکھ اچھی صحیح مگر یہ جاب کی نوعیت ایسی تھی کہ انہیں دھڑکا ہی لگا

رہتا تھا کہ کہیں خاندان والوں کو پتہ نہ چل جائے۔

☆☆☆

مومنہ کا نمبرات سے آف تھا، علی نے سوچا صبح جاتے جاتے خالہ کے گھر چکر لگائے گا، صبح جب وہ آیا تو

دروازے پہ گاڑی دیکھ کر رک گیا تھا، یہ کون آیا ہے صبح خالہ کے گھر، دو تین منٹ کے بعد گھر کا گیٹ کھلا اور مومنہ باہر نکلی

اور نکل کے گاڑی کے قریب آئی، ڈرائیور فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اترا اور آگے سے گھوم کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

وہ نظریں جھکائے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، اپنا شولڈر بیگ گود میں رکھے وہ گاڑی سے باہر دیکھنے لگی، جہاں علی

حیرت اور کچھ ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مومنہ ہلکا مسکرائی مگر علی رسماً بھی نہ مسکرا سکا، اس کی آنکھوں میں شدید الجھن کے آثار نمایاں تھے، ڈرائیور نے

آگے گاڑی بڑھائی، گاڑی گزر گئی، مگر وہ وہیں کھڑا دیکھے گیا اور پھر آفس کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

”امی! آپ جانتی ہیں، مومنہ آفس کیسے جاتی ہیں؟“ علی سے ہضم نہیں ہو رہا تھا، آفس پہنچتے ہی اس نے ماں کو

فون کر کے کہا۔

”بسوں کے دھکے کھاتی پھرتی ہے، مگر ناک پھر بھی اونچی ہے۔“ صائمہ نے نخوت سے کہا۔

”نہیں امی اسے گاڑی میں ڈرائیور پک اینڈ ڈراپ کرتا ہے۔“ علی بے قراری سے بتانے لگا۔

”ہیں تجھے کس نے کہا، جھوٹ بولا ہوگا، بی اے کیا نہیں، گاڑی اور ڈرائیور۔“ صائمہ نے طنز سے کہا۔  
 ”میں نے خود دیکھا ہے۔“ علی بولا، کچھ دیر کو وہ خاموش رہیں، بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔  
 ”تجھے کیا ضرورت ہے اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی چھٹانک بھر کی لڑکی ہے، مگر دیکھو اس کے انداز  
 نجانے کیا کرتی پھرتی ہے۔“ صائمہ نے حقارت سے کہا تھا۔  
 ”ہوں“ علی فون بند کر کے کام میں لگ گیا، مگر دھیان مومنہ کی طرف ہی تھا۔  
 ”ہیلو کیسی ہو؟“ علی نے ایس ایم ایس کیا۔ مگر اس وقت عمر ولید نے آفس در کر شازیہ کے ذمے مومنہ کو کام  
 بتانے کا کہا تھا، مومنہ بہت توجہ سے شازیہ کے ساتھ مصروف تھی۔  
 موبائل کی بار بار رینگ اسے شازیہ کے سامنے شرمندہ کر رہی تھی، اسے اپنی عزت اور ساکھ کا ہمیشہ خیال رہتا تھا،  
 سو اس نے موبائل ساکنٹ پہ لگا دیا۔  
 اگلے دن عمر ولید اپنے روم سے نکلا تو اس کے سامنے مومنہ بیٹھی نظر آئی، ڈارک بلیوسوٹ میں اس کی رنگت دمک  
 رہی تھی، وہ اس وقت بہت سنجیدگی سے کمپیوٹر آن کیے اس میں مصروف تھی۔  
 ”السلام علیکم! مس مومنہ کیسی ہیں آپ؟ اور کوئی مسئلہ پریشانی تو نہیں۔“ عمر ولید نے بہت اپنائیت سے پوچھا  
 تھا۔

”شکریہ سر! کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔“ مومنہ نے نظریں کمپیوٹر سے ہٹائیں اور اس کی جانب متوجہ ہوئی، عمر  
 مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا، اسے مزید کنفیوژ نہیں کرنا چاہتا تھا۔  
 ☆☆☆

”عمر یا آج کل کہا کھوئے کھوئے رہتے ہو۔“ اس کے ہیٹ فرینڈ ذیشان نے اسے ٹوکا۔  
 ”جسے میں نے بارش میں دیکھا تھا ناں ذیشان وہ اب میرے آفس میں جاب کرتی ہے۔“ عمر ولید کو سمجھ نہیں  
 آ رہی تھی، بات کہاں سے شروع کرے۔  
 ”کون، کیا نام ہے؟“ ذیشان نے پوچھا۔  
 ”مومنہ!“ عمر ولید نے گہری سانس لی۔  
 ”ذیشان ویسے ایک بات بتاؤ، محبت کیسے ہوتی ہے، کوئی نشانی بتاؤ۔“ عمر ولید نے جذبے سے کہا، ذیشان بے  
 یقینی سے اسے دیکھے گا۔

عمر ولید کے سوال پہ ذیشان کو جھٹکا لگا تھا، وہ ہمیشہ لڑکیوں سے دور رہا اور اب اچانک ایسی بات، ذیشان کو شدید  
 حیرت ہو رہی تھی۔  
 ”تمہاری فیملی کو مومنہ کے لیے ایسی ہیں کیا؟“ ذیشان کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔  
 ”ذیشان یہ محض فیملی کو نہیں ہیں جو کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں ہوتیں، محبت تو ہمیشہ رہتی ہے اور محبت میں دل پہ نقش  
 ہوتے عکس کبھی مٹا نہیں کرتے، چاہے انسان خود مٹ جائے۔“ ذیشان کو اس کی سنجیدگی اور انداز دونوں حیران کیے جا رہے  
 تھے۔  
 ”تو تمہیں لگتا ہے تمہیں مومنہ سے محبت ہو گئی ہے، آج تک میرا دل جذبات محبت سے نا آشنا تھا، جب وہ ملی تو

مجھے پتہ چلا کہ دل کیا ہوتا ہے اور اس کی طلب اور خواہش کیا ہوتی ہے، محبت کے جذبات کیسے انسان کو بے بس کرتے ہیں۔“ عمر ولید کچھ بے بسی سے بولا۔

”یعنی کہ واپسی کا کوئی راستہ نہیں؟“ ذیشان نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ شدید محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

”نہیں، ہرگز نہیں۔“ عمر ولید نے قطعیت سے جواب دیا۔

”کیا وہ بے حد حسین ہے؟“ ذیشان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”بے شک وہ خوبصورت ہے مگر خوبصورتی میری ترجیح نہیں رہی، امریکہ میں اور یہاں بھی خوبصورتی کا کوئی ایسا کال بھی نہیں کہ میں محض اس کے حسن کی بناء پر اس پر ہو جاؤں، کچھ اور ہے اس میں جو مجھے متاثر کر گیا، میں نہیں جانتا میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔“ عمر ولید نے اطمینان سے کہا۔

”وہ بہت باوقار بہت اعلیٰ کردار کی ہے، اس کی سیرت بھی اچھی ہے۔“ عمر ولید کچھ رک کر بولا تو ذیشان اسے

دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

مسلسل بجتے فون کو مومنہ نے بے بسی سے دیکھا اور پھر اٹھانے میں ہی عافیت جانی۔

”ہیلو۔“ علی بڑے سنجیدہ انداز میں خلاف توقع دوسری طرف تھا۔

”بولو علی!“ مومنہ نے دھیمے انداز میں کہتے ہوئے اپنے موڈ کو خوشگوار بنانا چاہا۔

”اپنے آفس کا ایڈریس بتاؤ میں تمہیں پک کرنے آرہا ہوں۔“ سرد لہجے میں بولتا ہوا وہ مومنہ کو حیران بلکہ

پریشان کر گیا۔

”کس خوشی میں؟“ مومنہ نے وجہ جانی چاہی۔

”تمہاری شکل دیکھنی ہے۔“ اس نے چبا کر کہا۔

”میری شکل دیکھنے کے لیے گھر آ جانا، آفس آنے اور پک کرنے کی زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔“ مومنہ نے

نارمل انداز میں جواب دیا۔

”میں نے تمہیں کہا اپنا ایڈریس بتاؤ۔“ علی اس کے جواب کو نظر انداز کر کے مزید تلخ ہوا۔

”علی! یہ میرا ذاتی آفس نہیں ہے، میں جب چاہوں منہ اٹھائے چلی جاؤں، تم خود بھی جاب کرتے ہو، ہر جگہ

ایمپلائی کے لیے اصول و قواعد ہوتے ہیں، ان کی پاسداری ایمپلائی پر فرض ہوتی ہے، میں چھ بجے آف کرتی ہوں۔“

مومنہ نے دلیل دی، علی کو اس کی بات سمجھ آ گئی تھی مگر پھر بھی اس نے غصے سے کال کاٹ دی، مومنہ نے موہاں کو دیکھا، پھر

کام میں لگ گئی۔

”علی آج کل بہت عجیب سا ہو رہا ہے۔“ گھر آ کر اس نے نمرا کو بتیج کیا۔

”اس کا کہنا ہے تم عجیب ہو رہی ہو، مسئلہ کیا ہے تم دونوں کا۔“ نمرا کا جواب آیا۔

”میں تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھی اور ہوں۔“ مومنہ تشویش میں مبتلا ہوئی تھی، پتہ نہیں مومنہ کی تسلی ہوئی یا نہیں البتہ

اس نے مزید کچھ کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

اگلے دن سڑے تھا، مومنہ نے صبح ناشتے کے بعد مشین لگائی گھر کی صفائی کرنے کے بعد میڈم سے ملنے کو تیار

کائی کلر کا سادہ سا سوٹ پہنے بالوں کی پونی بنائے، آنکھوں میں محض کا جمل، یہ اس کی مکمل تیاری ہوتی تھی۔

”امی! میں میڈم سے ملنے جا رہی ہوں، جلد آ جاؤں گی۔“ مومنہ نے بیگ اٹھایا، تب ہی علی آ گیا۔

”لگتا ہے غلط وقت پہ آ گیا ہوں، کہیں جانے کی تیاری ہے۔“ اس نے اندر آتے ہی بنا سلام دعا کے طنز کیا۔

”اگر میں کہوں ہاں ہے تو؟“ مومنہ کو اس کا طنز نہیں بھایا۔

”تو میں واپس چلا جاؤں گا۔“ علی نے روکھے پن سے جواب دیا۔

”یہ تمہاری خالہ کا گھر ہے اور وہ گھر میں ہی رہتیں ہیں۔“ مومنہ نے احساس دلایا۔

”خالہ سے ملنے ہی آتا ہوں۔“ علی نے جھٹ بیان بدلا۔

مومنہ نے پرس رکھا اور کچن میں آ گئی، چائے اور کیبنٹ سے بسکٹ اور نمکونکا لے لگی۔

”ویسے کہاں جا رہی ہو؟“ علی نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

”میڈم نے گھر پہ انوائٹ کیا تھا۔“ مومنہ چائے کپ میں ڈالنے لگی۔

”خیریت میڈم کو تم سے کچھ زیادہ ہی پیار نہیں ہو گیا، ہوشیار رہنا ایسی چلتر باز عورتوں سے۔“ علی نے گھٹیا انداز

میں کہا۔

”علی! وہ میرے لیے امی کی طرح قابل احترام ہیں، اللہ کے بعد ان کے مجھ پہ بڑے احسانات ہیں، اس

مشکل وقت میں بہت سہارا دیا ہے۔“ مومنہ سنجیدہ ہوئی۔

”دوسروں کے احسانات لینے میں تمہیں کوئی حرج نہیں، ہم مدد کریں تمہاری انا آ جاتی ہے آڑے۔“ علی نے

طنز کیا۔

”علی! وہ احسانات جتنا ہی نہیں ہیں، میرے خاندان میں ڈھنڈورا نہیں پیٹتیں اور رہی میری انا کی بات میں ان

کے پاس جاب کرتی ہوں، ان سے کوئی مالی مدد نہیں لیتی، سہارا مالی نہیں جذباتی بھی ہوتا ہے اور یہ میرے لیے بہت اہمیت کا

حامل ہے۔“ مومنہ نے وضاحت کی۔

”میڈم کی محبت کی بہت قدر ہے اور میری محبت؟“ علی نے شکوہ کیا۔

”تمہاری محبت کی قدر دان ہوں تو یہ انگوٹھی انگلی میں پہنی ہے، اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا۔“ مومنہ نے دو بدو

جواب دیا، علی چپ رہ گیا۔

”علی! ایک بات کہوں تم خاصے بدگمان انسان ہو۔“ مومنہ کہہ کر ٹرے اٹھائے باہر آ گئی اور ٹرے لا کر ڈرائنگ

روم کے ٹیبل پہ رکھ دی تھی، علی پیچھے پیچھے آیا، مومنہ نے ماں کو آواز دی اور خود جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، بیگ اٹھایا اور

باہر نکل گئی خدا حافظ کہہ کر، علی دیکھتا رہ گیا۔

میڈم بہت اہمیت اور محبت سے ملیں، عمر ولید اپنے روم میں تھا۔

”میڈم! اب آپ عمر صاحب کی شادی کر دیں تاکہ گھر کی تنہائی ختم ہو جائے۔“ اس نے چائے پیتے ہوئے

مشورہ دیا۔

”شادی ابھی کہاں کرے گا۔“ میڈم نے مایوسی سے کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی، آپ کہیں روہی کے ابو کو جلدی ہے۔“ مومنہ نے نیا مشورہ دیا۔  
 ”روہی کے لیے اس نے فی الحال سوچا بھی نہیں اور وہ لوگ خود سے پکاکے بیٹھے ہیں۔“ میڈم نے پریشانی سے کہا۔

”نہیں سوچا تو سوچ لے (اف یہ بڑے لوگ بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں، مومنہ کو حیرت ہوئی)“ سوچنے میں کتنا وقت لگے گا۔

”مومنہ! دعا کرو، جلدی عمر شادی کے لیے مان جائے۔“ میڈم فکر مندی سے بولیں۔  
 ”مان جائیں گے، آپ پریشان مت ہو، (شاید یہ بھی امیر لوگوں کا اسٹائل ہو، کوئی کام آسانی سے نہ کرنا، کسی کی بات آسانی سے نہ ماننا)“ مومنہ نے یقین دہانی کروائی۔

”تم اپنے منگیتر علی کی اور اس کی امی کی سناؤ۔“ میڈم دلچسپی سے بولیں۔  
 ”ٹھیک ہیں سب۔“ مومنہ مختصر بولی۔

کچھ دیر بعد اس نے اجازت چاہی، ڈرائیور نے اسے ڈراپ کر دیا تھا۔

☆☆☆

عمر ولید کو دینی جانا تھا، وہاں ایک مسئلہ ہو گیا تھا مگر پاکستان میں ایک میٹنگ بہت قریب آرہی تھی، اس ٹینڈر کی دھوم پوری مارکیٹ میں مچی تھی، بزنس پوائنٹ آف دیو سے یہ ٹینڈر اس کے لیے بہت اہم تھا، ٹینڈر کا ہاتھ سے نکل جانا نقصان دہ ہوتا۔

وہ اس وقت پریشان تھا، اور آفس میں اپنے منیجر سے مسئلہ بیان کر رہا تھا۔  
 ”سر! آپ دینی جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں میں یہاں سنبھال لوں گی۔“ مومنہ بولی۔  
 عمر ولید نے چونک کر اسے دیکھا صرف وہ ہی نہیں منیجر ایوب صاحب بھی حیران رہ گئے۔  
 ”سوری سر! مس مومنہ اتنی تجربہ کار نہیں، اسے اتنی بڑی ذمے داری نہیں دی جاسکتی تھی۔“ منیجر صاحب نے مخالفت کی۔

”مس مومنہ صرف میٹنگ ہی نہیں سنبھالنی بلکہ ٹینڈر بھی حاصل کرنا ہے۔“ عمر ولید نے مسکرا کر کہا تو منیجر حیرت سے عمر ولید کو دیکھ کر رہ گیا، اسے عمر ولید کی عقل پہ شبہ ہوا مگر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔  
 عمر ولید نے مومنہ کی محض حوصلہ افزائی کے لیے ٹینڈر والی بات کہی درحقیقت مومنہ کو یہ ذمے داری دینے کے ساتھ ہی ٹینڈر کا خیال وہ دل سے نکال چکا تھا، بس وہ مومنہ کی خواہش رد نہیں کر سکتا تھا، سو مقصد محض شوق پورا کرنا تھا مومنہ کا، نقصان کے لیے وہ دینی طور پہ آمادہ تھا۔

”عمر! بیٹا تم جارہے ہو؟“ عقیل خالو نے حیرت سے کہا۔

”جی میری کل کی دینی کی فلائٹ ہے۔“ اس نے مطلع کیا۔

”اور وہ ٹینڈر جس کا آج کل چرچا ہے اس کا کیا ہوگا؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا، وہ اس وقت عمر کے گھر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”ٹینڈر کی ذمے داری میں نے مس مومنہ جاوید کو دے دی ہے۔“ اس نے اطمینان سے کہتے ہوئے چائے

ہی۔

”کیا؟ وہ انارڈی نا تجربے کار، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیوں اتنا بڑا نقصان کر رہے ہو؟“ خالو بھڑک اٹھے۔

”انکل! آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ عمر نے ان کے غصے کو نظر انداز کر کے دھیمے سے کہا۔

”ٹینڈرنہ ملنے سے صرف مالی ہی نہیں سماجی نقصان بھی ہوگا تمہاری کمپنی کی ایک ساکھ ہے، مت بھولو۔“ خالو

نے اسے باز رکھنا چاہا۔

”میں فیصلہ کر چکا ہوں۔“ اس نے اٹل انداز میں کہا اور موضوع بدل دیا، خالو کندھے اچکا گئے، وہ اپنے فیصلوں

میں باختیار تھا۔

مومنہ نے کہنے کو توبے ساختہ کہہ دیا تھا، اس سے زیادہ حیرانگی عمر ولید کے مان جانے پہ تھی، اسے اب پتہ چل رہا

تھا کہ یہ کام اتنا آسان بھی نہیں، اسے اب ٹینشن ہو رہی تھی، اس کے جانے سے پہلے وہ گھبرائی ہوئی سی عمر ولید کے روم میں آئی تھی۔

”سر! اگر یہ ٹینڈر کسی اور کمپنی کو مل گیا تو؟“

”مس مومنہ ڈیٹ اس داپارٹ آف بزنس، ٹینڈر کا نہ ملنا ایسی کوئی انہونی بات نہیں ہوگی، میں چاہتا ہوں نتیجے

سے قطع نظر تمہاری پرفارمنس زبردست ہونی چاہیے، آؤٹ اسٹینڈنگ کام کرو۔“ عمر ولید نے مسکراتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھایا، وہ شکریہ کہہ کر باہر آ گئی۔

عمر ولید کے جانے کے بعد اس نے اسٹاف کے ساتھ بے حد محنت سے کام کیا تھا۔

میڈم سائرہ کو یہ ذمے داری مومنہ کو سونپنے پہ حیرت تو ہوئی مگر انہوں نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تھا۔

ٹینڈر جمع کرادیا تھا، رزلٹ قریب تھا، عمر ولید بھی آ گیا تھا، مومنہ کو رزلٹ کی طرف سے خدشہ تھا، وہ بے چینی کا

شکار تھی۔

”مس مومنہ! منیجر صاحب بتا رہے تھے تمہاری پری زیٹینشن بہت اچھی تھی، کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا، تم نے یہ

سب پہلی بار کیا ہے۔“ عمر ولید نے اس کی محنت کو سراہا۔

”سر! ٹینڈر ملے گا تو پتہ چلے گا۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”رزلٹ کچھ بھی ہو، تم نے محنت کی، مجھے خوشی ہے۔“ عمر ولید نے کہا۔

”صبح رزلٹ ہے میٹ آف لک۔“ عمر کے بتانے پہ مومنہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

رات کو گہری نیند سو گئی، کئی دن سے جاگ رہی تھی، تکیے کے نیچے موبائل بجا تو آنکھ کھلی۔

”علی! پلیز کل بات کریں گے۔“ مومنہ نے کال ریسیو کرتے ہی کہا تھا۔

”بات سنو مجھے بھی شوق نہیں ہے تم سے بات کرنے کا۔“ علی نے غصے سے کہہ کر موبائل آف کر لیا تھا، مومنہ

نے بھی پرواہ نہ کی اور پھر سے سو گئی تھی۔

صبح دیر سے آنکھ کھلی تھی، اٹھتے ہی قضا نماز ادا کی اس کے بعد ناشتہ بنایا، آفس کی دین آئی تو جلدی جلدی

کپڑے چینج کر کے بھاگی، آفس میں داخل ہوئی تو مبارکباد کا شور سنائی دیا وہ حیران سی نظر آئی۔

”بہت بہت مبارک ہو مس مومنہ! ہمیں ٹینڈر مل گیا ہے۔“ عمر ولید نے خود آگے بڑھ کے اسے مبارکباد دی

تھی، وہ ساکت رہ گئی، اتنی بڑی کامیابی، سکتہ ٹوٹا تو اللہ کا دل میں بے حد شکر ادا کیا تھا۔

”تمہاری پرنٹیشن تو کمال کی ہوگی، افسوس میں محروم رہا، تمہیں سننے سے، ویسے تو تم بولتی نہیں سوائے کچھ مخصوص جملوں کے۔“ عمر ولید نے اسے چھیڑا۔

آج وہ اپنی پہلی کامیابی سے ہمسکار ہوئی تھی، بے حد خوش تھی، گھر آتے ہی نمر اور امی کو بتایا، ان کی خوشی بھی قابل دید تھی، میڈم حیران اور خالو پریشان تھے۔

اس نے علی کو بھی اپنی کامیابی کا بتایا تھا اور ساتھ میں معذرت بھی کی تھی کہ وہ پچھلے کئی دن بے حد مصروف رہی تھی اور اپنی کامیابی کا بتایا۔

”امی! مومنہ کو کمپنی میں ٹینڈر ملا ہے، اس کی محنت سے۔“ دوسری طرف علی نے ماں کو بتایا صائمہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

”جھوٹ بول رہی ہوگی، بی اے تو مکمل نہیں کر سکی۔“ صائمہ نے طنز کیا۔

”وہ جھوٹ نہیں بولتی۔“ علی بد مزہ ہو کے بولا۔

”اچھا بڑی حاجن ہے۔“ صائمہ نے جاہلانہ انداز میں کہا۔

”امی! اس میں حاجن کی کیا بات ہے، اس کی عادت نہیں جھوٹ بولنے کی۔“ علی جھنجھلایا۔

”تم فضول کی وکالت مت کرو۔ اس کی عادتیں تم کچھ زیادہ ہی نہیں جان گئے۔“ صائمہ رنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔

”امی! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ علی بولا۔

”میں خوب جانتی ہوں تمہارا مطلب۔“ صائمہ نے چڑکے کہا اور علی نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی

تھی۔

دوسرے دن صبح اسے عمر ولید نے اپنے روم میں بلایا تھا، مس نازش کے پیغام پہ وہ کام ادھورا چھوڑ کر گئی۔

”مے آئی کم ان سر؟“ دروازے پہ پہلی سی دستک کے بعد مومنہ کی آواز ابھری تھی اور اپنے لیپ ٹاپ پہ بڑی عمر

ولید اس کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا۔

”لیس کم آن پلیز۔“ وہ اجازت دے کر دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا اور اپنا کام مکمل کرنے لگا تھا۔

”پلیز سٹ ڈاؤن۔“ عمر ولید نے اسے مقابل کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس وقت وہ بہت الجھا ہوا لگ رہا تھا،

بے حد مصروف۔

”تھینک یو،“ مومنہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی اس کے آفس کی سیٹنگ کلر کمبی نیشن، دیواروں پہ لگی پینٹنگز بے حد

شاندار تھی، گلاس وال، کرشل ٹیبل اور سب سے بڑھ کر خود عمر ولید کی خوبصورت اور وجیہہ شخصیت، مومنہ نے نگاہیں

جھکا لیں۔

”جی مس مومنہ!“ وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

”آپ نے بلایا تھا سر۔“ مومنہ نے یاد دلایا۔

”مس مومنہ! آپ کی ٹینڈر کی کامیابی سے ہمیں آپ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا ہے۔“

”شکریہ۔“ مومنہ بولی۔



”میں نے تمہارا پروموشن لیٹر جاری کر دیا ہے۔“ عمر اسے تفصیل بتانے لگا تھا۔

جبکہ مومنہ شاندار سیکریٹری چیک اور آفر پر حیران رہ گئی تھی۔

”سر! میں یہ سب کیسے بیچ کر دوں گی، مجھے کوئی تجربہ نہیں، یہ پوسٹ میں ڈیزرو نہیں کرتی۔“ مومنہ جھجکی۔

”جیسے ٹینڈر میں کمال کیا تھا، ایسے ہی اس میں کمال کرنا۔“ عمر ولید نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا اور وہ شکر یہ ادا

کر کے اٹھ گئی، حیرت زدہ سی۔

”میری ترقی ہو گئی ہے علی، آج آنا تمہیں مٹھائی کھلاؤں گی۔“ اس نے خوشی سے علی کو بیچ کیا تھا۔

شام میں علی آیا تو اس نے ٹینڈر سے لے کر اب تک کی تمام تفصیل اسے بتا دی تھی۔

”بہت خوش ہو؟“ علی نے پوچھا۔

”ہاں نہ بہت خوش ہوں۔“ مومنہ مسکرائی۔

”ویسے تم اتنی قابل تو نہیں تھی پھر باس تمہارا تم پہ اتنا مہربان کیوں ہے؟“ علی کچھ جلیسی سے بولا۔

”علی پلیز۔“ مومنہ نے اسے ٹوکا۔

”حسن بہت بڑی سفارش ہے۔“ علی نے طنز کیا۔

”علی میں بہت محنت ایمانداری اور ذمہ داری سے اپنی ڈیوٹی کرتی ہوں، اس میں شکل کی کیا بات ہے۔“ مومنہ

نے تکلیف سے کہا۔

”تم کچھ نہیں جانتیں، پیسے کا لالچ دے کر تم جیسی بھولی بھالی.....“

”علی..... خاموش ہو جاؤ۔“ مومنہ چلائی، علی کی باتیں اب واقعی اس کی برداشت سے باہر تھیں، مومنہ کا چہرہ

ضبط سے سرخ ہو گیا تھا، علی کی باتوں نے اسے ہرٹ کیا تھا۔

”مومنہ! میری بات سمجھو۔“ علی نے نرمی سے کہا۔

”میں اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہوں، تم زیادہ وقیفانوسی ہو رہے ہو۔“ مومنہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”منگیتروں میں تمہارا۔“ علی نے حق جتایا۔

”جانتی ہوں، اس لیے تمہیں اس خوشی میں شامل کرنے کے لیے یہاں بلایا ہے۔“ مومنہ ناراضگی سے بولتی

اسے اس لمحے بے حد پیاری لگی، اس وقت بلیک اور براؤن سوٹ میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔

جب سے جاب آفس میں شروع کی تھی تو سیلری بھی بڑھ گئی تھی، پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی میسر تھی، حالات

بھی مالی لحاظ سے بہتر ہو گئے تھے، یہ سکون اور اطمینان اس کے چہرے پہ جھلک رہا تھا اور حسن میں اضافے کا باعث بن رہا

تھا۔

”سوٹ بہت اچھا لگ رہا ہے، بلکہ تم پہ بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ علی کا موڈ اب اچھا ہوا تھا۔

”یہ میری برتھ ڈے پہ میڈم نے مجھے دیا تھا۔“ مومنہ بے نیازی سے بولی تھی۔

”تم نے میڈم سے گفت لے لیا اور مجھے نہیں بتایا، مجھ سے نہیں لیا۔“ علی نے شکوہ کیا۔

”گفت لیے نہیں جاتے، دیے جاتے ہیں۔“ مومنہ نے جواب دیا، مومنہ کی بات پر وہ شرمندہ ہو کر بات پلٹ

گیا۔

”میڈم تمہیں کچھ زیادہ پسند نہیں کرتیں؟“ علی بولا۔

”میں بھی انہیں بہت پسند کرتی ہوں، وہ بہت مہربان شفیق خاتون ہیں۔“ مومنہ نے احترام سے کہا تھا۔

”ہاں کافی امیر بھی ہیں۔“ علی نے گھٹیا انداز میں کہا۔

”مجھے ان کی دولت سے سروکار نہیں، امیر رشتے دار میں نے بہت دیکھے ہیں، مگر وہ جو عزت مجھے دیتی ہیں وہ

ان رشتے داروں سے نہیں ملتی اور مومنہ جاوید کے لیے پیسے سے زیادہ اہم عزت ہے۔“ مومنہ رکھائی سے بولی تھی، علی کی باتیں اسے مسلسل ہرٹ کیے جا رہی تھیں۔

”گو یا رشتے داروں سے بڑھ کر بے میڈم؟“ علی نے طنز کیا۔

”آف کورس، جو برے وقت میں ساتھ ہو وہ ہی اپنا ہے۔“ مومنہ نے بھی لحاظ کو ایک طرف رکھا، اتنے میں

صالحہ بیگم آئیں تو دنوں خاموش ہو گئے۔

”اوکے! میں اب چلتا ہوں۔“ علی نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔

”ایسے کیسے کھانا کھا کے جانا۔“ مومنہ سادگی سے بولی اس کے چہرے پر اس کے لہجے میں ناراضگی کا شائبہ تک

نہیں تھا، علی کو بے حد پیاری لگی اس لمبے بھولی بھالی صاف و شفاف دل رکنے والی، اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

”نمرانے بنایا ہے۔“ علی نے لگاوٹ سے پوچھا۔

”میں نے سب چیزیں خود بنائی ہیں۔“ مومنہ فخریہ انداز میں بولی تھی۔

”میں بھی خواہ مخواہ جذباتی ہو جاتا ہوں، میری توجہ اور محبت سے کس قدر خوش نظر آ رہی ہے، وہ بھی آخر ہر عام

لڑکی کی طرح، خواب دیکھنے والی لڑکی ہے، میں کافی غصہ کر جاتا ہوں۔“ علی نے اپنا محاسبہ کیا تھا، وہ علی کی بدلتی سوچ سے

بے خبر برتن سمیٹنے میں مگن تھی، علی کی نگاہوں کی تپش نے اسے ڈسٹرب کیا تو گھورتی ہوئی کچن میں برتن اٹھا کے چلی گئی، علی

ہنستا رہا۔



”بیٹا! بھائی صاحب پوچھ رہے تھے مگنی کی تقریب کب کرنی ہے؟“ عمر ولید سے سائرہ بیگم نے پوچھا۔

”امی! میں نے روپی سے شادی کا ابھی نہیں سوچا ہے۔“ عمر ولید نے شائستگی سے جواب دیا۔

”بیٹا! اب سوچ لو، بھائی صاحب خاصے فکر مند ہو رہے ہیں۔“ سائرہ سنجیدہ تھیں۔

”مما! آپ انکار کر دیں، میں روپی سے شادی نہیں کر سکتا۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”کیا کہا؟“ وہ خاصی برہم ہوئیں۔

”مما! روپی ایز اے کزن اور فرینڈ میں لائیک کرتا ہوں مگر لائف پارٹنر کے لیے جو میرے دل میں خاکہ ہے وہ

اس پر پوری نہیں اترتی۔“ اس نے وضاحت کی۔

”بیٹا! بھائی صاحب اور روپی کتنے ہرٹ ہو گئے، تم دوبارہ سوچو۔“

”میں سو بار بھی سوچوں تو میرا جواب یہ ہی ہوگا۔“ عمر ولید نے قطعیت سے کہا، سائرہ نے بے بسی سے سر ہٹا

لیا۔

”مما! آپ پریشان مت ہوں، ہم نے زبان نہیں دی تھی، ان کی خواہش تھی، ہم ان کی خواہش کا احترام کرتے

ہیں لیکن شادی کے لیے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے، روہی مجھے یقین ہے میرے ساتھ اور میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا ہوں۔“ عمر ولید نے نرمی سے کہا۔

”تمہارا پیہ نہیں لیکن روہی تمہارے ساتھ بہت خوش رہے گی۔“ سائرہ نے یقین سے کہا تھا۔

عمر ولید خاموش رہا تھا، سائرہ زبردستی کی قائل نہیں تھیں مگر روہی کو انہوں نے، متوقع بہو مان لیا تھا، اب بہنوئی سے معذرت مشکل مرحلہ تھا، اس لیے فون کا سہارا لیا، وہ خاصے برہم ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا، سائرہ ان کے رویے سے مزید پریشان ہو گئی تھیں۔

روہی عمر کا نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر آف تھا، روہی کے بابا خاصے چالاک انسان تھے، انہوں نے مومنہ کے لیے عمر ولید کی پسندیدگی بھانپ لی تھی، جو سائرہ ماں کو کبھی نہیں جان سکیں تھیں۔

روہی کو مومنہ پہ بے حد غصہ تھا، وہ اسے اس کی اوقات یاد دلانا چاہتی تھی، چند ہزار لینے والی غریب لڑکی عمر ولید کے خواب کیسے دیکھ سکتی تھی، اس کی جرأت پہ اسے سزا دینا لازم تھا۔

بلو جیمز اور پنک کرتا پین کر اس نے ہلکا سا میک اپ کیا اور ڈرائیور کیساتھ اس کے آفس آئی، روہی بے حد غصے کے عالم میں تھی، دل چاہ رہا تھا اس لڑکی کو ختم کر ڈالے وہ غصے اور بے چینی سے تیز تیز چلتی آفس کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، سیکرٹری سدرہ نے بتایا مومنہ کا آفس۔

مومنہ اس وقت سر جھکائے بڑی تھی کام میں، روہی کے قریب آتے قدموں کی آواز سے چونک کر سیدھی ہوئی، اجنبی لڑکی کو دیکھ کر سیدھی کھڑی ہوئی۔

روہی غصے سے قریب آئی تو بے حد حیرت سے سامنے کھڑی حسن کے دلکش پیکر کو دیکھے جا رہی تھی، روہی کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی حسین ہوگی۔

”آپ کون؟“ مومنہ نے سکوت توڑا تھا، وہ اب تک آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

”تمہارا نام؟“ روہی نے سوچا شاید اسے دھوکہ ہوا ہے، اتنی غربت میں پلی لڑکی اتنی حسین کیسے ہو سکتی تھی، اس کا دل اس حقیقت کو قبول نہیں کر رہا تھا۔

”میں، مومنہ جاوید ہوں۔“ بڑی خود اعتمادی سے اس نے کہا تھا۔

”تم نے کیا سوچا تھا، تم عمر ولید کو مجھ سے چھین لوگی اور میں خاموش رہوں گی۔“ اس نے طنز سے مومنہ کو کہا۔

مومنہ اس کی بات پہ اس کے انداز پہ بے حد حیران ہوئی، وہ ان سب باتوں سے بے خبر تھی، اس لیے روہی کی بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں تھی، مومنہ کی خاموشی کو روہی نے سمجھا کہ وہ اس سے گھبرائی ہے، روہی کا حوصلہ بڑھا تھا۔

”مومنہ جاوید تم جیسی لڑکی کو عمر ولید چند ہزار ترس کھا کر دے سکتا ہے، مگر اپنا گھر نہیں، اس لیے اس بھول میں مت رہنا کہ تم نے عمر ولید کو مجھ سے چھین لیا ہے۔“

”جو تمہارا ہے اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا، البتہ جو تمہارا ہے ہی نہیں وہ کوئی لاکھ چاہ کر بھی تمہیں نہیں دے سکتا۔“ مومنہ نے بے نیازی سے کہا، مومنہ کی بے نیازی نے روہی کے اندر آگ لگا دی تھی۔

”طنز کر رہی ہو؟“ اس نے جل کر پوچھا۔

”نہیں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔“ مومنہ نے بے حد نرمی سے کہا تھا۔

روبی نے خاموشی سے اسے بغور دیکھا، اس کا حسن اس کا اعتماد سب اسے ہار رہا تھا، وہ اسے ذلیل کرنے آئی تھی مگر ناکام ہوئی تھی، وہ عمر ولید کے دل پہ نقش تھی اور جودل پہ نقش ہو جائے انہیں مٹایا نہیں جاسکتا تھا، روبی اس حقیقت کو جان گئی تھی، وہ مردہ قدموں سے نکل گئی تھی۔

”نجانے کون تھی؟“ مومنہ نے تاسف سے سوچا۔

”کتنا غرور تھا اسے شاید دولت مند ہوگی، مگر مجھ پہ کیوں غصہ کر رہی تھی، یقیناً اسے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔“

مومنہ نے سر جھٹک کر دوبارہ کام شروع کر دیا تھا، روبی تھکے تھکے قدموں سے گھر واپس آئی، اسے عمر ولید سے کوئی طوفانی عشق نہیں تھا لیکن وہ اسے پسند کرتی تھی، وہ اس کے آئیڈیل کے معیار پہ پورا اترتا تھا، جیون ساتھی بنانے کے خواب اس نے بلا اجازت ہی دیکھ لیے تھے، وہ بیوقوف نہیں تھی جو روٹی پیٹی اور عمر ولید کو مومنہ سے بدظن کرنے کی فلمی سی گھٹیا سازش کرتی، وہ پریکٹکل لڑکی تھی، جانتی تھی عمر ولید کی پسند کوئی عام لڑکی نہیں ہو سکتی تھی، اس کے حسن نے تو روبی کو قائل، گھائل ہی کر دیا تھا، روبی نے پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھا، دو دن سوگ منایا ایک بہترین شخص کو کھونے کا مگر اس کا تعلق جس طبقے سے تھا، وہاں محبت دل کا روگ نہیں بنتی تھی۔

سائرہ میڈم نے مومنہ کو فون کر کے گھر بلایا تھا، وہ آفس سے سیدھی میڈ کے گھر ہی آگئی تھی، فون پہ روزانہ ایک مرتبہ خیریت پوچھ لیتی تھی، ہر سُنڈے کو لازمی ملنے جاتی تھی۔

☆☆☆

”عمر! اٹھو بھئی، اتنی دیر ہو گئی ہے۔“ سائرہ میڈم اس کے کمرے میں آئیں تو اسے بدستور سوتے دیکھ کر حیران ہوئیں، وہ عام طور پہ تو سحر خیزی کا عادی تھا ہی سُنڈے والے دن بھی صبح اٹھ جاتا تھا۔  
آج گیارہ بج رہے تھے، انہوں نے سلک کے خوبصورت پردے کھڑکیوں کے آگے سے ہٹائے تو روشنی جیسے ان ہی کی دعوت کی منتظر تھی، عمر کی آنکھیں چندھیا گئیں فوراً آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے، پھر موبائل اٹھاتے وقت دیکھا تو جیسے یقین نہ آیا۔

”اوہ..... نو..... میں اتنی دیر تک سوتا رہا۔“

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے تیزی سے بیڈ سے اتر اٹھا۔

”مما! آپ نے بریک فاسٹ کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”تمہارے بنائے ناشتہ کرتی ہوں؟“ انہوں نے محبت سے کہا تھا۔

”سوری ممما۔“ وہ شرمندہ ہوا تھا۔

”اب فریش ہو کر آ جاؤ۔“ وہ مسکرائیں اور باہر نکل آئیں۔

ڈائننگ ٹیبل پہ وہ اخبار کی جانب متوجہ تھا، چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے، موبائل کی گھنٹی نے سوچوں کا تسلسل توڑا، توقع کے عین مطابق ڈیشان ہی تھا۔

”ہاں جناب کہاں ہیں آپ؟“ اس نے شگفتگی سے پوچھا تھا۔

”میں تمہارے آفس میں ہوں، تمہیں یاد کر رہا ہوں۔“ ڈیشان بولا تھا۔

”یار میں اگلے آدھے گھنٹے میں تمہارے پاس ہوں گا۔“ عمر نے کہہ کر موبائل رکھا اور تیزی سے اٹھا، وہ اپنی بات کا پکا تھا، قول و فعل میں ایک تھا۔

”عمر! بیٹے مجھے آج تم سے ضروری بات کرنی تھی۔“

”جی ماما۔“ عمر متوجہ ہوا۔

”بیٹا! اگر روپی سے شادی نہیں کرنا چاہتے مت کرو، مگر مجھے اجازت دو کے میں تمہارے لیے کوئی لڑکی دیکھوں، کتنے لوگوں نے رابطہ کیا ہے۔“ سائرہ میڈم فکر مند تھیں، اکلوتے بیٹے کے سر پہ سہرا سجانے کا ارمان انہیں عام مڈل کلاس عورتوں جیسا ہی تھا، عمر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

”ماما! ابھی کچھ وقت دیں اور جس فیملیز سے رشتے آرہے ہیں میرا وہاں نہ آج اور نہ کبھی کرنے کا ارادہ نہیں، میری ترجیحات کچھ اور ہیں۔“ عمر ولید نے صاف گوئی سے کہا۔

”مثلاً“ سائرہ میڈم نے استفسار کیا وہ اکتا گئی تھیں عمر کو شادی میں تاخیر ی حربے ڈالتے دیکھ کر۔

”اس کا جواب میں رات میں دوں گا۔ کیونکہ مجھے ابھی ذیشان سے ملنا ہے۔“

”عمر! تم اپنے جوتے، کپڑے، گاڑی اور دوسری چیزیں ہمیشہ اعلیٰ کوالٹی کی لیتے ہونا؟ تو چیزوں میں کوالٹی کے معاملے میں تم کم پروماز نہیں کرتے مگر اب انسانوں کے معاملے میں تمہاری سوچ مجھے الجھادی ہے، بہت بڑے اعلیٰ گھرانوں سے رشتے موجود ہیں، تمہیں دلچسپی نہیں ہے۔“

”ماما! وہ گھرانے جن کا آپ ذکر کر رہی ہیں بلاشبہ مال و دولت کے اعتبار سے بہت بڑے ہونگے مگر خاندانی رکھ رکھاؤ سیرت و کردار کے لحاظ سے بڑے نہیں آپ ان کے حسب و نسب سے ناواقف ہیں، ہماری سوسائٹی کی لڑکیوں کو اگر آپ دیکھ لیں تو آنسو کریں گی، وہ اس قابل نہیں کہ کسی شریف خاندان کی بہو بن سکیں، ماما اگر ہم ٹھیک ہیں تو ہمارے ساتھ جڑے لوگوں کا ٹھیک ہونا بھی ضروری ہے۔“

”تمہیں شاید کوئی غریب لڑکی پسند آگئی ہے۔“ وہ مٹھوک ہوئیں۔

”محبت میں یہ سب نہیں دیکھا جاتا ماما، امیری..... غریبی کوئی معنی نہیں رکھتی، انسان اہمیت رکھتا ہے۔“ عمر نے

ان کے جواب میں اس بات سے انکار نہیں کیا کہ وہ کسی کو پسند نہیں کرتا۔

”بیٹا! نام کیا ہے اس لڑکی کا جس نے میرے خوب رو لائق فائق بیٹے کو اپنا اسیر کر لیا ہے۔“ میڈم نے اشتیاق سے

پوچھا۔

”وقت آنے پہ بتاؤں گا، ابھی جلدی ہے، مجھے جانا ہے۔“ عمر کھڑا ہوا گھڑی دیکھتے ہوئے اس کا آفس دس

منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔

”یہاں ہے یا امریکہ؟“ میڈم نے اسے جاتے دیکھ کر تیزی سے پوچھا تھا۔

”سپنس برقرار رہنے دیں۔“ وہ کہہ کر رکا نہیں تھا، لیکن پھر دوبارہ پیچھے مڑ کے اس نے میڈم کو دیکھا۔

”ماما! آپ کو اس کے غریب ہونے پہ اعتراض تو نہیں ہوگا۔“ عمر نے پوچھا۔

”بیٹا! جب تمہیں اعتراض نہیں ہے تو میں تمہاری ماں ہوں، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور عمر ولید کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

”تھینک یو ماما جان۔“ عمر بے حد سکون سے بولا تھا۔

”کون لڑکی ہو سکتی ہے، یہاں آفس، گھر یا جم اس کا حلقہ احباب اتنا وسیع نہیں ہے، وہ زیادہ سوشل بھی نہیں ہے اور جہاں تک میں جانتی ہوں، اس کی کوئی لڑکی دوست بھی نہیں ہے۔“

سائرہ میڈم نے سوچا، مومنہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

”امریکہ میں ہوگی۔“ انہوں نے حتمی انداز میں سوچتے ہوئے فون اٹھایا۔

مومنہ کو فون کر کے بلانے کا اور اس سے ڈسکس کرنے کا ارادہ تھا مگر یاد آیا وہ اس وقت آفس میں ہوگی، مصروف ہوگی، سوچتے ہوئے انہوں نے موبائل واپس رکھ دیا، مومنہ ہی تھی جس سے وہ بلا جھک اپنا ہر مسئلہ شیئر کر سکتی تھیں۔

”جو بھی ہوگی وہ مجھے بہت عزیز ہوگی کیونکہ وہ میرے اکلوتے بیٹے کی پیاری سی دلہن ہوگی۔“ انہوں نے

اطمینان سے سوچا تھا۔

☆☆☆

مومنہ دھیمے سروں میں گنگنائی ہوئی جلدی جلدی سلا دینا ہی تھی، ایک سنڈے کا دن ہی تو ایسا دن ہوتا تھا، جب وہ خود کو کنگ کرتی تھی، ورنہ ای پکاتی تھی، آج صائمہ خالہ اور علی آرہے تھے، وہ دل و جان سے رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

”السلام علیکم! بڑی خوش نظر آرہی ہو؟“ علی نے کچن میں جھانکتے ہی اس کے دھیمے سروں کی گنگناہٹ سن لی

تھی۔

”وعلیکم السلام!“ خوش تو میں ہمیشہ ہی رہتی ہوں۔ مومنہ خوشدلی سے بولی تھی اور اٹھ کے خالہ سے ملنے آئی۔

”السلام علیکم!“ صائمہ خالہ کے مقابل آکر اس نے بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔

”کیسی ہو؟“ انہوں نے رسماً پوچھا۔

”اللہ پاک کا شکر ہے، آپ سنا نہیں خالہ؟“ مومنہ نے دھیمے سے کہا۔

”آج چھٹی تھی۔“ انہوں نے غور سے مومنہ کو دیکھا، جو گہرے سبز سوٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی، سادگی

میں بھی بے حد دلکش لگ رہی تھی۔

”جی سنڈے کو آف ہوتی ہے۔“

”مومنہ! تم نے تو اپنا جیمز وغیرہ کافی بنالیا ہوگا؟“ خالہ نے سطحی پن سے کہا تھا۔

”ابھی تو کچھ نہیں بنایا، وقت پہ ہی بنائیں گے۔“ امی نے جواب دیا۔

”وقت پہ تو وہ بناتے ہیں جنہیں پیسوں کا کوئی ایٹو نہیں ہوتا، جہاں وال روٹی مشکل ہو رہی ہو وہاں تو ایسی

تیا ریاں بیٹی کی پیدائش پہ ہی شروع ہو جاتی ہیں۔“ صائمہ نے انہیں ان کی اوقات یاد دلائی تھی، علی سمیت تینوں نفوس

خاموش تھے۔

”خالہ! اچھی کہوں تو میں نے ابھی تک جیمز کا سوچا ہی نہیں تھا، مگر اب آپ نے کہا ہے تو سوچنا پڑے گا۔“ مومنہ

کچھ دیر بعد بولی صائمہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

”مومنہ! یہ نوکری تمہاری مردوں کے ساتھ کام کرنا ہمیں پسند نہیں ہے اسے اب چھوڑ دو، اب گھر سنبھالو۔“ صائمہ خالہ نے رعب سے کہا۔

”خالہ! اگر نوکری چھوڑ دی تو جہیز کیسے بناؤں گی؟ ابھی تو کچھ بھی نہیں کیا ہے۔“ مومنہ بھولپن سے بولی تو صائمہ جل کے رہ گئیں۔

”بی بی چار پیسے کھاتے ہی تمہارے منہ میں زبان آ گئی ہے۔“ صائمہ نے غصے سے اسے گھورا۔  
 ”مومنہ! کھانا لگاؤ۔“ صالحہ کے کہنے پر مومنہ اٹھی، کھانا لگتے ہی خوشبو پھیل گئی، کھانا بے حد رغبت سے کھاتے ہوئے ان کے ذہن میں نہیں تھا کہ یہ مومنہ نے بنایا ہے۔

”کھانا کیسا ہے؟“ امی نے پوچھا۔

”بہت لذیذ“ علی بے ساختہ بولا۔

”تم بھی کچھ سیکھ لو بی بی، زبان چلانا تو بڑی جلدی سیکھ گئی ہو۔“ صائمہ خالہ نے طنز سے کہا۔  
 ”خالہ یہ سب کھانا میں نے خود بنایا ہے۔“ مومنہ نے اطمینان سے کہا تو وہ بے یقینی سے دیکھتی رہ گئیں۔  
 ”مومنہ! اب نہ اسے بھی اچھا بنانے لگی ہے۔“ امی بولیں، صائمہ خاموش رہیں، مومنہ آہستہ آہستہ برتن سمیٹ کر چپ چاپ کچن میں آ گئی۔

چائے بناتے ہوئے وہ بڑی افسردہ تھی، کتنے اہتمام سے آج اس نے تیاری کی تھی مگر صائمہ خالہ کے رویے نے اس کا دل دکھادیا تھا، چائے بناتے ہوئے وہ بڑی تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

”مومنہ! تم اتنی اداس کیوں ہو؟“ علی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا تم نہیں جانتے؟“ مومنہ کا لہجہ شکوہ کنناں تھا۔

”شاید۔“ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”ہونہر، مجھے پتا ہے علی تم شاید نہیں یقینا جانتے ہو۔“ مومنہ کے انداز میں بھرپور یقین تھا، علی اس کے یقین پہ چپ ہو گیا۔

”خالہ کے دل میں میرے لیے اک گرہ پڑ گئی ہے اور میری کوشش کے باوجود وہ اس گرہ کو کھول نہیں رہی ہیں۔“ مومنہ بولی۔

”یہ تمہاری سوچ ہے۔“ علی نرمی سے بولا۔

”یہ میرا یقین ہے۔“ مومنہ اٹل انداز میں بولی۔

”وہ بڑی ہیں۔“ علی نے سرزنش کی۔

”بڑے ہونے کا مطلب ہے کہ وہ مجھے شرمندہ کریں، میری انا خودداری پہ ضرب لگائیں میں نے کیا برا کیا ہے؟“ مومنہ تپ گئی۔

”مومنہ! بس کرو یا، جذباتی مت ہو، ای کی تو عادت ہے۔“ علی جھنجھلا کے بولا، وہ مومنہ کی حساسیت سے تنگ تھا۔

”علی! میں جذباتی ہو رہی ہوں۔“ مومنہ بے حد دکھ سے گویا ہوئی، اس کے ہونے والے ہم سفر کو اس کی عزت

نفس کی قطعی پروا نہیں تھی جب کے محبت کے دعوے بڑے بلند تھے۔

مومنہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، بحث و مباحثے سے اسے پتہ تھا فائدہ نہیں ہوگا، وہ مہمان تھے، ضبط کر کے چائے اندر دے کر وہ اپنے کمرے میں آگئی لیکن دل کی اداسی کہیں چین نہیں لینے دے رہی تھی، علی اس کی حمایت کیا کرتا وہ اس کے دکھ کو سمجھنے سے قاصر تھا، علی کی یہ بے نیازی اس کے دکھ میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب خالد اور علی چلے بھی گئے اور جاتے ہوئے کسی نے اس سے ملنا گوارا نہ کیا۔  
صائمہ خالد نے علی کا رشتہ تو کر دیا تھا مگر اسے بدگمان کر دیا تھا، علی کانوں کا کچا مرد تھا، ماں بہنوں کے آگے غلط بات پر بھی اپنا موقف پیش نہ کر پاتا، اس کی یہ کمزوری اس کے اور مومنہ کے تعلق کو کمزور کر رہی تھی، مگر اسے احساس نہیں تھا۔

☆☆☆

مومنہ صبح سیکرٹری رباب کا پیغام ملا، عمر ولید نے اسے بلایا تھا، وہ عمر کے آفس کی طرف آئی، آفس میں عمر ولید اس وقت نہیں تھا، وہ کسی کام سے ابھی باہر نکلا تھا، اس نے اپنے روم کی سینٹنگ پھر چیک کی تھی، اس کی سجاوٹ قابل دید تھی۔  
سب فریم اسلامی تھے، آیت مبارکہ کے ترجمے اور احادیث مبارکہ سے سجے ہوئے تھے، خطاطی کا خوب صورت نمونہ تھے اندر کا ماحول متاثر کن تھا، چاروں طرف لکڑی کی الماری میں کتابیں سجی تھیں، اس کے ساتھ ہی شیشے کی ٹیبل پہ ٹرافیاں اور شیلڈ سجی تھیں جو یقیناً عمر ولید کو بہترین کارکردگی پہ دی گئی تھیں۔  
”السلام علیکم!“ وہ احترام سے کھڑی ہوئی۔

”پلیز تشریف رکھیے اور معذرت خواہ ہوں، آپ کو انتظار کرنا پڑا۔“ عمر ولید نے نرمی سے کہا۔  
”نو پرابلم سر۔“ مومنہ کو اس کی عاجزی بہت بھائی تھی وہ اس کی ایمپلائی تھی، اس سے سیلری لیتی تھی مگر وہ صرف اس سے نہیں تمام ایمپلائز کے ساتھ یکساں سلوک رکھتا تھا، یہ خاصیت سائرہ میڈم میں بھی تھی۔  
”مس مومنہ! میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک بار نئی فیکٹری کا وزٹ کریں اور ورکرز کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں کیونکہ اس طرح فون پہ یا آن لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا، آپ بھی نئی ہیں اس لیے اپنے ورکرز اور کولیکٹرز سے ملنا بہت ضروری ہے آپ کا۔“ عمر مکمل طور پر باس کے روپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی ایسا ہی تھا، پروفیشنل۔

اوکے لیکن مجھے پندرہ سے بیس منٹ درکار ہیں کیونکہ فی الحال میری ٹیبل پہ کچھ کام ادھورا پڑا ہے، مجھے آج ایک ڈیزائن کمپلیٹ کرنا تھا۔ مومنہ نے کچھ وقت مانگا۔  
”ٹھیک ہے آپ کمپلیٹ کر لیں، تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔“ عمر نے اثبات میں سر ہلایا اور مومنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر ایک فائل پہ ڈیزائن دیکھنے میں مگن ہو گیا تھا، اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، مومنہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی۔

”سر! گاڑی تیار ہے اور مس مومنہ بھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“ بیون کی آواز پہ عمر ولید چونکا۔

گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے موبائل اور لیپ ٹاپ لے کر آفس سے باہر نکل آیا۔

اور جیسے ہی آفس بلڈنگ سے باہر آیا، مومنہ کو گاڑی کے پاس انتظار کرتے دیکھ کر قدم ٹھک سے گئے، وہ بلیک



اور یڈکلر کے سوٹ میں ملبوس چہرے کے گرد اچھی طرح دوپٹے کا ہالہ بنائے بلیک گلاسز لگائے کھڑی اس لمحے اسے بے پناہ دلکشی لگی اور اس پر اتفاق یہ کہ علی جو مومنہ سے ملنے آیا تھا، اسے دور سے ٹھٹھک کے دیکھ رہا تھا۔

”سر پلیز۔“ ڈرائیور نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا، وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے تھے، گاڑی علی کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی، علی نے بے حد الجھن اور بے یقینی سے اس منظر کو دیکھا تھا، بے یقینی رفتہ رفتہ شدید غصے میں تبدیل ہو رہی تھی، وہ ساکت کھڑا تھا، غصے سے برا حال تھا۔

”مس مومنہ! میرا خیال ہے آپ کو ڈرائیونگ سیکھنی چاہیے۔“ عمر ولید نے خاموشی کے سکوت کو توڑا، عمر کب سے یہ بات کرنا چاہ رہا تھا مگر وقت نہیں مل رہا تھا۔

”سر! میں ڈرائیونگ سیکھ کے کیا کروں گی۔“ مومنہ نے استفسار کیا تھا۔

”کمپنی کی طرف سے گاڑی کی سہولت موجود ہے، ڈرائیور میسر ہے، آپ کو مگر پھر بھی ڈرائیونگ آنی چاہیے، میں آپ کا کسی اچھے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمیشن کروادوں گا، آپ ایک دو دن میں جو ان کر لیجیے گا۔“ مومنہ کو بھلا کیا پرالہم تھا، اس نے فوراً ہامی بھری تھی۔

”تھینک یوسر۔“ اس نے بہت پنے تلے سے انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

”یو ویلکم، مگر ایک بات بتائیں جب آپ ڈرائیونگ سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے کسے ڈرائیو پہ لے کر جائیں گی؟ اپنی کسی فرینڈ یا فیملی ممبر کو۔“ عمر نے کافی دلچسپی سے پوچھا تھا اور گاڑی کی گلاس وینڈو سے باہر دیکھتی مومنہ نے عمر ولید کے چہرے کی سمت دیکھا اور توقف سے جواب سے نوازا۔

”امی کو۔“ عمر ولید مسکرا دیا جواب حسب توقع تھا، گاڑی فیکٹری کے پارکنگ ایریا میں رک چکی تھی۔

”آئیے۔“

فیکٹری میں سب لوگوں سے ملاقات بہت اچھی رہی تھی، آج کا دن بہت بڑی تھا، وہ فیکٹری سے واپس سات بجے آئی تھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، علی کی صورت میں ایک بے سکونی اس کی منتظر تھی۔

”مومنہ! تم آج کہاں تھیں میں تمہارے آفس آیا مگر تم آفس میں نہیں تھیں۔“ وہ خطرناک تیور لیے سامنے تھا۔

”میں آج باس کیساتھ نئی فیکٹری گئی تھی درکرز اور کوئیکز کیساتھ میٹنگ تھی۔“ مومنہ نے سادگی سے سچائی بیان کی، اس کا دل صاف تھا۔

”مومنہ! مجھے تمہاری جاب پسند نہیں، تم اس کام کو چھوڑ دو“ علی تلخ ہوا۔

”علی کیا ہوا؟“ مومنہ بے حد تھکی ہوئی تھی اس وقت کسی بحث و مباحثے میں پڑنا نہیں چاہ رہی تھی۔

”تم ایک ضدی لڑکی ہو۔“ علی کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر دروازے سے نمر اپنی ساس کے ہمراہ آتی دیکھی تو چپ ہو گیا، مومنہ کپڑے چھینچ کر کے آئی، امی کچن میں چائے بنانے لگی تھیں، وہ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی، علی دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور اٹھ کے چلا گیا۔

”اسے کیا ہوا ہے؟“ نمر ابے حد حیرت سے بولی تھی، مومنہ مسکرائی۔

”ویسے ہی مجھ سے ناراض تھا۔“

”تم سے ناراض تھا، مجھ سے نہیں مجھ سے ایسا بی ہیور کی وجہ؟ اتنی دور سے میں آئی ہوں۔“ نمر ابے حد دکھ سے

بولی تھی، علی کو بھائی سمجھتی تھی۔

مومنہ تھک چکی تھی رات کو جلدی بستر پہ آگئی، علی کی ناراضگی اسے فکر مند کر رہی تھی، اس نے علی کو فون کرنا چاہا مگر علی نے پہلے نمبر بڑی کیا اور پھر موبائل آف کر دیا، مومنہ کو بے حد افسوس ہوا۔

”علی تم اتنے انا پرست کیوں ہو؟“ مومنہ نے دل ہی دل میں شکوہ کیا تھا۔

بہت دنوں سے کوئی نہ کوئی رنجش ان کے درمیان چل رہی تھی، مومنہ بے حد اس ہو جاتی تھی۔

وہ اپنا کام محنت اور دیانتداری سے کرنے کی قائل تھی، اس نے کبھی کام سے جی نہیں چرایا تھا۔

آنے والے دنوں میں علی کو لاہور جانا پڑ گیا، مومنہ آج کل آفس سے دو بجے فری ہو کر پانچ بجے تک ڈرائیونگ کی کلاسز لے رہی تھی، صالحہ، نمر اور میڈم سائرہ بے حد خوش تھیں، اس نے علی کو بھی بتا دیا تھا، مگر علی نے محض اچھا کہہ کر فون رکھ دیا تھا، نمر اُسکھی تھی وہ مصروف ہو گا، مگر اس کی بے رخی مومنہ محسوس کر گئی تھی۔

”آج میں آپ کو اور نمر کو سمندر پہ لے کر جاؤں گی۔“ مومنہ نے ڈرائیونگ بہت جلدی سیکھ لی تھی، اسی خوشی میں وہ ٹریٹ دے رہی تھی۔

”ویسے یہ ٹریٹ تمہیں ہمیں نہیں کسی اور کو دینی چاہیے۔“ نمر نے کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”سوچو ذرا۔“ نمر نے مسکرا کر کہا۔

”میری ہر کامیابی میں میڈم سائرہ اور سر عمر ولید کا ہاتھ ہے۔“ مومنہ نے اعتراف کیا۔

”جن لوگوں کا تمہاری کامیابی میں ہاتھ ہے ان لوگوں کو آج تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔“ نمر نے توجہ

دلائی۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں بھی سوچ رہی ہوں کہ میڈم کو دعوت دوں۔“ مومنہ بولی۔

”صرف میڈم کو؟“ نمر نے ٹوکا۔

”سر کو، میں دعوت دیتی عجیب لگوں گی۔“ مومنہ جھجکی۔

”میڈم سے کہہ دینا،“ نمر نے آئیڈیا دیا۔

”نہیں، یہ مناسب نہیں لگتا، نجانے دیکھنے والے کیا سوچیں۔“ مومنہ کو اپنی ساکھ عزیز تھی۔

”ہاں یہ بات تو صحیح ہے۔“ نمر کو بھی عقل آئی تھی۔

آج مومنہ گاڑی خود ڈرائیور کرتی ہوئی امی اور بہن نمر کو ساتھ لے کر آئی تھیں، آج اس خوشی کے موقع پر اسے

اپنے ابو بہت یاد آ رہے تھے، یہ ہی کیفیت امی اور نمر کی تھی، تب ہی سب کچھ لمحے کے لیے چپ ہو گئی تھیں۔

مومنہ نے ریسٹورنٹ پہنچ کر سائرہ میڈم کو فون کر دیا تھا، وہ بھی بیس منٹ میں پہنچ گئی تھیں

چاروں نے کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا تھا، کھانے کے بعد سائرہ میڈم کے اصرار پہ سب نے سمندر کا رخ

کیا، اس دوران عمر ولید نے میڈم کو فون کیا تو انہوں نے اسے بھی بلا لیا تھا، وہ جب تک آیا سب گھر جانے کے لیے تیار تھیں، آج کا دن سب نے بہت انجوائے کیا تھا، عمر ولید والدہ کو لے کر گھر روانہ ہوا وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھیں۔

”ایسے کرو، گاڑی واپسی میں خالد کی طرف موڑ لو، ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔“ نمر نے کہا۔

”ہاں، یہ ٹھیک رہے گا، ایسا کرنے سے وہ خوش ہو جائے گی، علی ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔“ امی نے بھانجے کو یاد

”پتہ نہیں خوش ہوتا یا تنقید کرتا۔“ مومنہ نے دکھ سے سوچا اور گاڑی ان کے گھر کی طرف موڑ لی۔

”امی! اچھی سی مٹھائی بھی لے لیتی ہوں۔“ مومنہ نے گاڑی مشہور شاپ کے آگے روکی۔

خالو، خالہ اچانک دیکھ کر حیران ہوئے، کچھ پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

ان کی بیٹی ثنا کا کچھ مسئلہ تھا۔

”اچانک خیریت؟“ خالو بوکھلا گئے۔

”بھائی ویسے ہی دل چاہ رہا تھا، آپ لوگوں سے ملنے کو۔“ امی نے اپنائیت سے کہا۔

”اچھا کیا مگر صالحہ وقت دیکھ کر نکلا کرو، جوان لڑکیوں کا ساتھ ہے۔“

”واپسی میں یہاں سے رکشے کم ہی ملتے ہیں۔“ صائمہ نے ٹوکا، تینوں شرمندہ سی ہو گئی تھیں۔

”خالہ! ہم مومنہ کے ساتھ آئی ہیں، مومنہ کو گاڑی کمپنی کی طرف سے ملی ہے، مومنہ کو ڈرائیونگ بھی آگئی

ہے۔“ نمرانے سادگی سے کہا۔

”اچھا! خالو بے حد حیرت سے نوعمر نوخیز مومنہ کو دیکھ رہے تھے، جس کے چہرے پہ ایک خاص بھولپن نمایاں

تھا۔“ صائمہ کو حیرت کا جھکا لگا تھا۔

خالو، مومنہ سے جاب کی تفصیل پوچھنے لگے تھے، ثنا نے حسد سے مومنہ کو دیکھا تھا، جس نے آسانی سے سب

کچھ پالیا تھا، اس کے بھائی جیسا لائف پارٹنر اس کا منگیتر تھا اور صرف اس کا ہی تھا، مالی حالات ان کے جس تیزی سے

بدلے تھے، اس پہ حیرت ان لوگوں کو تھی۔

چائے پی کر وہ ایک گھنٹے میں واپس آ گئیں تھیں، نمرانے کو ڈراپ کر دیا تھا، آج کا دن بے حد تھکا دینے والا مگر

یادگار تھا، یہ سب پورٹ بڑھا چڑھا کر صائمہ خالہ نے علی کو بتایا تھا، علی کا موڈ وہاں ہی خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دودن بعد علی ان کے گھر تھا اور مومنہ سے گاڑی اور ڈرائیونگ کرنے پر بحث کرتا تھا۔

”علی! مجھے صرف یہ کہنا ہے تم معاشرے کے عام لوگوں کی طرح مت سوچا کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے، مجھے

جینے کا حق دو، میں اپنی فیملی کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں، مجھے کچھ وقت دو، میں صرف تم سے محبت کرتی ہوں۔“ مومنہ کی

آنکھوں میں علی کے لیے اتنی محبت تھی کہ علی کچھ کہہ نہیں پایا۔

مومنہ نے اس کی پسند کا کھانا تیار کیا تھا، وہ گھر سے جاتے ہوئے بے حد اچھے موڈ میں تھا، مومنہ بھی اطمینان

سے سو گئی تھی، ورنہ علی کی ناراضی کے باعث ایک الجھن سی رہتی تھی۔

☆☆☆

آفس سے نئے پروجیکٹ کے باعث بے حد مصروفیات تھیں، علی آج فون پہ فون کر رہا تھا، وہ پینڈ فری موبائل

پر لگا کر بات کر لیتی تھی، ورنہ وہ ناراض ہو جاتا تھا، وہ ان مردوں میں سے تھا، جو بیوی کی ہمہ وقت مکمل توجہ چاہتے ہیں اور ہر

وقت ان کے اعصاب پہ سوار رہتے ہیں۔

علی نے بتایا تھا، ثنا کی منگنی ٹوٹنے کے قریب ہے، اسے افسوس ہوا تھا، ثنا جیسی بھی صحیح مگر اس کی خالہ زاد تھی اور

ایک لڑکی تھی، ہر لڑکی خواب دیکھتی ہے، وہ اس منگنی پہ بہت خوش نظر آتی تھی۔

کچھ دن ہی امن کے گزرے ہوئے تھے کہ بچانے علی کو صائمہ خالہ نے لیا لہا، وہ بچا بچا تھا، بون پہ بڑی بے مروتی اور بدلتالی سے پیش آ رہا تھا، اس دوران ثنا کی منگنی ختم ہو گئی اور خالہ کا غصہ بڑھ گیا تھا، وہ بدانتظام لے رہی تھی کہ وہ پریشان ہیں۔

وہ عمر ولید کے ساتھ آفس روم کے سامنے کھڑی تھی، انہیں فائل دینے جا رہی تھی کہ وہ انہیں راستے میں ہی مل گئے تھے۔

اس دوران علی اچانک بیڑھیاں چڑھتا ہوا ان کے سامنے آ گیا تھا، مومنہ نے حیرت سے اسے دیکھا، اس سے پہلے وہ کوئی تعارف کروا پاتی یا کچھ کہتی علی نے اس کی کلائی پکڑی تھی اور اسے لے کر وہاں سے نکلے لگا، وہ اس کی ہمت پہ حیران رہ گئی تھی اور حیران تو عمر ولید بھی بہت ہوا تھا۔

”ایکسکیوز می! کون ہیں آپ؟ اور اس طرح زبردستی کہاں لے جا رہے ہیں مومنہ کو؟“ عمر ولید نے بے حد غصے سے کہا۔

”یہ میری منگیتر ہے۔ اس پر صرف میرا حق بنتا ہے۔“ علی نے اس کسرتی جسامت اور اونچے لمبے قد والے ہینڈسم لڑکے کو دیکھ کر طنز سے کہا۔

دھڑ دھڑ دھڑ، ریل گاڑی جیسے عمر کے اوپر سے گزر گئی تھی، وہ شدید شاک کی کیفیت میں تھا، درد کی شدید لہر اس کے جسم میں اٹھی تھی، وہ بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا، سکتے کی کیفیت میں کھڑا بظاہر، مگر بہت تکلیف میں تھا۔

”چھوڑو میرا ہاتھ، یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ مومنہ نے اپنی نازک کلائی اس کی گرفت سے چھڑانا چاہی۔

”تم بہت تیز جا رہی ہو، بہت اونچا اڑ رہی ہو تمہارے پر کانٹے پڑیں گے۔“ وہ طنز سے بولا۔

”علی چھوڑو میرا ہاتھ تمہیں پتہ ہے تم جیسے میرا ہاتھ پکڑ کر لائے ہو، تمہیں پتہ ہے اس کا اثر میری ساکھ پر کیا پڑے گا، کیا سوچیں گے لوگ میرے بارے میں؟ تمہیں اس کی فکر نہیں ہے اور نہ ہوگی۔“ مومنہ غصے سے بولی تھی اور اس سے ہاتھ غصے سے چھڑا کر اسے پرے دھکیل دیا تھا۔

مومنہ کی آنکھوں میں نمی تھی جو علی سے پوشیدہ نہیں تھی مگر اس وقت وہ بے حس اور سفاک ہو گیا تھا۔

”تمہیں صرف لوگوں کی فکر ہے میری کوئی پروا نہیں ہے؟ مومنہ وہ کون تھا اور کیوں اتنا مہربان ہے؟ تم دونوں کے درمیان جو بھی تعلق ہے مجھے بتا دو؟“

”علی! مجھ سے اس طرح سطحی مردوں کی طرح گھنیا باتیں مت کرو، تم مجھے بچپن سے جانتے ہو۔“

”میں چاہتا ہوں تم یہ جاب چھوڑ دو۔“ علی نے حکمانہ انداز میں کہا۔

”فی الحال میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ مومنہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”یہ اتنا مشکل فیصلہ تو نہیں ہے۔“ علی نے تسخراڑا یا۔

”میرے لیے ہے۔“ مومنہ اٹل انداز میں بولی تھی۔

”تو تم جاب نہیں چھوڑنا چاہتی؟“ علی نے بے حد غصے سے پوچھا۔

”جواب، میں چھوڑنا چاہتی ہوں مگر ابھی نہیں، مجھ پر گھر کی ذمہ داری ہے، تم جانتے ہو۔“ مومنہ نے ٹھہرے

ہوئے انداز میں کہا تھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم لڑکی ہو، تم جیسی لڑکیوں کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا کوئی کردار نہیں ہوتا۔“ علی نے سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بہت زہریلے انداز میں کہا تھا۔

”خدا کے لیے علی چپ ہو جاؤ، مزید کچھ کہا تو ہمیشہ کے لیے میری نظروں سے گرجاؤ گے۔“ مومنہ کے دل میں اذیت کی لہریں اٹھنے لگیں۔

”اور سنو آئندہ تم نے ایسی کوئی بات کی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ مومنہ نے حتیٰ لہجے میں کہا، وہ چلا گیا تھا، مومنہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اس تماشے کے بعد آفس میں رکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، سب کا سامنا کیسے کرتی، سو خاموشی سے گھر آگئی، علی کے توہین آمیز رویے کا اسے شدید دکھ تھا، تیز بخار نے اسے گھیر لیا، امی پریشان ہو گئی تھیں، اس نے بھی صاف بتا دیا، انہیں علی کی ذہنیت پہ دکھ ہوا، منگنی کر کے بیٹی بچ نہیں دی تھی، جس کا جو دل چاہے سلوک کریں۔

شام میں نرملہ فکرمندی سے دوڑی آئی تھی، امی نے آج کے واقعے کے بارے میں بتایا تو اسے بھی بہت رنج پہنچا تھا، وہ علی سے یہ توقع نہیں کر سکتی تھی، اتنا رازاں جانا ہے مومنہ کو، پہلے تو منگنی نہیں ہوئی تھی ایک جھلک دیکھنے کو ترستا تھا، اور آج یہ قدر کر رہا ہے، نرملہ نے سوچا۔

☆☆☆

عمر کیسے گھر آیا، کیسے حوصلہ پیدا کیا، یہ وہ ہی جانتا تھا، اس کے سر پہ آسمان گر گیا ہو جیسے پیروں تلے زمین نہ رہی ہو، وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، میڈم سائرہ تین دن کے لیے ایک این جی او کے ساتھ سندھ کے دیہی علاقوں میں گئی تھیں، گھر میں بھی چین نہیں آتا تھا اس رات سڑکوں پر بے سبب گاڑی دوڑاتے وہ اپنی روح کے ماتم سے برسرِ پیکار رہا، رات کے آخری پہرہ بھوکا پیاسا آ کر بے سدھ پڑ گیا تھا۔

صبح دوسرے دن بھی وہ یوں ہی پڑا رہا کمرے سے باہر نہیں نکلا، رات کے آخری پہرہ اٹھا، دودھ کا ڈبہ نکال کر اس نے اپنے لیے اسٹرنگ سی چائے تیار کی تھی۔

خالی پیٹ چائے تیزاب کی مانند لگ رہی تھی، اچانک کسی کی یاد ابھری تھی، اس نے سر جھٹک کر موبائل ڈھونڈنا چاہا، تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے موبائل مل گیا، نومسڈ کال دیکھ کر اپنی ماما کی وہ بری طرح شرمندہ ہوا، موبائل سائلنٹ پہ تھا۔

اس نے اندر کی گھنٹن کم کرنے کے لیے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے تھے، امی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔  
 ”عمر! دوسری ہی نیل پر کال ریسیو کر لی تھی، رات کے آخری پہرہ بھی انہوں نے دوسری نیل پہ کال ریسیو کر لی تھی، وہ یقیناً پریشانی میں گھری رات بھر سو نہیں سکی تھیں، ماں کی پریشانی کے خیال نے اسے پشیمانی میں گھیر لیا۔“  
 ”مما..... ماما جان۔“ وہ بہت ٹوٹ گیا تھا۔

”عمر میری جان، میرے بیٹے کہاں ہو تم؟ دو دن سے تم نے فون ریسیو نہیں کیا۔“ ان کی آواز میں بے چینیوں ہم رہی تھیں۔

”مما! موبائل خراب تھا۔“ اس نے جھوٹ بولا اور جھوٹ بولتے ہوئے اسے بہت شرم آئی تھی۔

”اتنے بڑے ہو کر ماں سے جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آئی۔“ ان کی ڈانٹ میں بھی محبت کی شیرنی تھی، کچھ دیر ان سے فون پہ بات کر کے وہ یوں ہی کھڑکی کے پار اندھیرے میں کسی غیر مری نقطے کو تلاشتا رہا۔

”ہیلو! ذیشان مجھ سے گھر پہ مل تو یار۔“ عمر نے اپنے دوست کو فون کر کے کہا۔

”اوکے۔“ وہ ذیشان تھا، اس کا واحد بچپن کا دوست بے حد مخلص، اسے سمجھنے والا، عمر کو پتہ تھا، اب وہ جہاں بھی ہوگا، وہاں ٹھہر نہیں سکے گا اور فوراً آ جائے گا، ایسے دوست پہ فخر ہی کیا جاسکتا تھا، ٹھیک بیس منٹ بعد وہ اس کے بیڈ روم میں تھا۔

”یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟“ بڑھی شیو اور سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ خفگی سے بولا تھا، عمر نے اسے سب بتا دیا تھا۔

”اتنی محبت ہے تمہیں اس عام سی لڑکی سے؟“ ذیشان کی حیرانگی بجا تھی۔

”وہ عام نہیں ہے، بہت خاص ہے، بہت منفرد ہے۔“ عمر ولید نے جذب سے کہا۔

”تو تم اس سے اظہار محبت کرو۔“ ذیشان نے مشورہ دیا۔

”وہ انکلیجڈ ہے۔“ عمر بے بسی سے بولا۔

”آج کل منگنی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تم جیسے شخص کو دیکھ کر کوئی بھی لڑکی اپنے منگیتر کو آسانی سے چھوڑ سکتی

ہے۔“ ذیشان مزے سے بولا۔

”تم مومنہ کو نہیں جانتے، مومنہ کا شمار ان لڑکیوں میں نہیں ہوتا۔“

”تم بات کرو۔“ ذیشان بضد تھا۔

”دل کے رشتے دل کی مرضی سے جوڑے جائیں تو خوشی ہوتی ہے۔“ عمر افسردہ تھا۔

”یار! تجھے محبت ہوئی بھی تو منگنی شدہ ہے۔“ ذیشان نے لتاڑا۔

”میں نہیں مانتا، کب، کیوں، کیسے وہ پہلی نظر میں میرے دل میں ساگنی اور پہلی نظر کی محبت؟ کیا وہ بہت

خوبصورت ہے۔“ ذیشان نے پوچھا۔

”ہاں، لیکن میری محبت کی وجہ سے اس کی خوبصورتی نہیں ہے، کچھ اور ہے اس میں جو مجھے متاثر کر گیا، میں اس

کا اسیر ہو گیا، اس کے سحر میں مبتلا ہو گیا، میری شروع سے خواہش تھی میری شریک حیات ایک با کردار اور صاف گولڑکی ہو،

جب کسی غیر مرد سے بات کرے تو بے چک اس کے کردار کی گواہی دے، اس سے مل کر یوں لگا جیسے منزل مل گئی ہو،“ عمر

کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”اور کیا خوبی ہے اس میں؟“ ذیشان نے پوچھا۔

”وہ بہت اچھی ہے، اس میں سب اچھا ہے۔“ عمر مسکرایا۔

”وہ اگر تیری قسمت میں ہوئی تو ضرور ملے گی۔“

رات گئے تک دونوں باتیں کرتے رہے، ذیشان اس کا غم بانٹ کے جاچکا تھا مگر اس کے جانے کے بعد پتہ چلا

غم تو وہیں ہے، وہ نہ جانے کب سوچتا گیا، صبح جلدی آنکھ کھل گئی تھی، ممانے آنا تھا، اپنی محبت کی ناکامی کا دکھ اس طرح نہیں

مناسکتا تھا کہ پیار کرنے والی ماں کو اسے دیکھ کر دکھ ملے۔

خود کا ہر زاویے سے اس نے جائزہ لیا، میکانیکی انداز میں وارڈ روم کی جانب بڑھ گیا، اس کا شعور متحرک ہو گیا تھا، پیئر میں لٹکے بلیک پینٹ اور وائٹ شرٹ کو نکالا، ایک طویل غسل لے کر وہ بالوں سے پانی انگلیوں سے جھٹکتا باہر آیا ہاتھ لینے سے اس کا شعور حواس قائم کر چکا تھا، جھوکے پیٹ کا شدت سے احساس ہوا، ملازم کو ناشتہ بنانے کا کہا، وہ اس وقت فریش لگ رہا تھا، اس پر بنی قیامت کا شبابہ تک نہیں ہو رہا تھا۔

مماسے مل کر وہ آفس گیا مگر غائب دماغ رہا، مومنہ آج نہیں آئی تھی، اچھا تھا، اسے دیکھ کر غموں کو تازہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

مومنہ تین دن بعد نارمل ہوئی مگر بے حد اس تھی۔

”کیا میرا جیون ساتھی ایسا رہے گا؟ یہ کیسی محبت کرتا ہے وہ مجھ سے؟“ مومنہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جاری تھی۔

رات کا دوسرا پہر تھا، بجلی گئی ہوئی تھی، امی واش روم جانے کے لیے ابھی تو کمزوری سے چکر اکر گر گئیں، گرتے ہی بے ہوش ہو گئیں، مومنہ کے تو اوسان خطا ہو گئے، وہ ہمت ہار گئی، روتی جاری تھی اور چلائے جاری تھی۔

”امی..... امی..... آنکھیں کھولیں، کیا ہوا ہے آپ کو۔“ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا، پھر جیسے ہوش آیا لپک کر موبائل اٹھایا، علی کا نمبر ملایا، بیل جاری تھی، وہ بڑی کر رہا تھا، پھر اس نے موبائل آف کر دیا، آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الحال رابطہ ممکن نہیں کیونکہ اسے سنائی دے رہی تھی۔

”یا اللہ!“ وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی، اس نے عمر ولید کا نمبر ملایا، عمر نمبر دیکھ کر چونک گیا اور کال ریسیو کی، مومنہ کو روتاس کر اس کا دل ڈوبا تھا، وہ بھاگتا ہوا چابیاں لے کر بیڈ روم سے نکلا تھا، کچھ ہی دیر میں تیز ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مومنہ کے گھر تھا، مومنہ کی مدد سے آنٹی کو گاڑی میں لٹایا اور ہاسپٹل بھاگا۔

کچھ دیر بعد صالہ بیگم کو ہوش آ گیا تھا، تسبیح پڑھتی مومنہ اب مطمئن لگ رہی تھی۔

فجر کے وقت وہ گھر آ گئے تھے، امی دوائیوں کے تحت سو رہی تھیں۔

”زندگی گزارنا آسان نہیں ہے مومنہ! یہاں قدم قدم پہ رکاوٹیں ہیں، کمزور لوگوں کو دنیا بہت دباتی ہے پس ڈالتی ہے، کبھی کسی کو یہ احساس مت ہونے دینا کہ تم کمزور ہو، مجبور ہو، لوگ مجبور یوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنے اندر اعتماد اور حوصلہ پیدا کرو، اتنی ہمت اور حوصلہ کہ اپنی طرف اٹھتے ہوئے ہاتھ روک سکو“ عمر نے مسکراتے ہوئے آخر میں بات ختم کی تھی۔

وہ بہت نرمی سے اپنا نیا ت اور محبت سے دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا، مومنہ کو بہت حوصلہ مل رہا تھا۔

”اور مومنہ! زندگی میں کوئی مشکل مرحلہ آئے تو جھجکا مت، میں ہر قدم پہ تمہارے ساتھ ہوں۔“

”اتنا مان دینے کا شکریہ۔“ مومنہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”زیادہ فارمیٹیر میں مت پڑو۔“ وہ ڈپٹ کر بولا۔

”میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ مومنہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

”نہیں! تم تھک گئی ہوگی، آرام کرو، میں پھر کبھی انشاء اللہ تمہارے ہاتھوں کی چائے پینے آؤں گا۔“ عمر نے

اٹھتے ہوئے شائستگی سے معذرت کی تھی۔

”سر! آپ کا پھر بے حد شکریہ آپ نے ہمیشہ میرے لیے آسانیاں پیدا کی ہیں۔“  
 ”جن کا تعلق دل سے ہو ان کے لیے آسانیاں ہی پیدا کی جاتی ہیں۔“ وہ مسکرایا۔  
 ”کیا مطلب میں کچھ سمجھی نہیں۔“

”میں کچھ سمجھاؤں گا بھی نہیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔  
 ”اپنی ویز آئی کا خیال رکھنا، ایک ہفتہ تم آرام کر سکتی ہو، آئی کا خیال رکھو، آفس مت آنا۔“ وہ اپنا بیت سے  
 تلقین کر کے چلا گیا تھا، مگر مومنہ اپنی جگہ پہ کھڑی تھی۔

اداس دل کی ویرانیوں میں  
 بکھر گئے ہیں خواب سارے  
 یہ میری ہستی سے کون گزرا  
 فکھر گئے ہیں گلاب سارے  
 نبجانے کتنی شکایتیں تھیں  
 نبجانے کتنے گلے تھے تم سے  
 جو تم کو دیکھا تو بھول بیٹھے  
 سوال سارے جواب سارے

”بنا کسی رشتے کے اتنی ہمدردی، اتنا خلوص ان کٹھن حالات میں، میرے اپنوں سے بڑھ کر آپ نے ساتھ دیا  
 ہے۔“ مومنہ سوچتے ہوئے تہہ دل سے مشکور ہوئی۔

”اور علی تم تو مجھ سے محبت کے دعوے دار ہو، میرے اپنے ہو لیکن کٹھن وقت میں صرف میری مشکلات میں  
 اضافہ کرتے ہو، یہ کیسی محبت ہے؟ کیا اسے محبت کہتے ہیں“ صبح نہرا کو اس نے بتایا وہ تو وہ فکر مندی سے دوڑی چلی آئی،  
 دونوں بہنوں نے امی کی خوب خدمت میں رات دن ایک کیے، ان کا میکہ صرف ماں سے ہی آباد تھا، امی ٹھیک تھیں لیکن وہ  
 دونوں پریشان تھیں۔

”نہرا! علی کو نبجانے کیا ہو گیا ہے؟“ مومنہ کے حسین چہرے پہ تفکرات کے آثار نمایاں تھے۔  
 ”بعض اوقات محبت کرنے والے اپنے محبوب کی ذات اور توجہ کا ہوا رہ برداشت نہیں کر پاتے اور ان کے لیے  
 محبوب سے وابستہ ہر چیز قابل نفرت ہو جاتی ہے، اس کی ذات، توجہ اور محبت پہ صرف اپنا حق سمجھتے ہیں۔“ نہرانے علی کے  
 حق میں دلیل دی۔

”یہ خود غرضی ہے، میں اسے محبت نہیں مانتی جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں وہ آپ سے وابستہ ہر رشتے ہر  
 شے کو مقدم جانتے ہیں۔“ مومنہ نے اس کی دلیل کا جواب دیا۔

”میں پھر بھی چاہتی ہوں کہ تم اس سے بات کرو۔“ نہرا رسان سے بولی۔  
 ”میں بات کروں مگر کیوں؟ میرا قصور کیا ہے، اس نے مجھے ذلیل کیا ہے، آفس میں میرا تماشہ بنا دیا ہے، وہ کیا  
 چاہتا ہے ہم گھر میں بیٹھ کر فاتے کریں یا خالہ کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور ان کے طعنے سہیں میں نے امی کے لیے رات



فون کیا اس نے یہ بھی نہیں سوچا رات کے آخری پہر ہم دو تہا عورتیں گھر میں رہ رہی ہیں، کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو، اس نے موبائل آف کر لیا، سر عمر نیند سے اٹھ کر ڈیفنس سے ایف بی ایریا میں آگئے اور وہ قریب سے نہ آسکا۔ ”مومنہ بے حد جذباتی ہو گئی تھی۔

”میں تمہاری سب باتوں سے متفق ہوں۔ اس نے غلط کیا ہے مگر آخری موقع دو۔“ نمرانے سنجیدگی سے کہا تھا، مومنہ محض گہرا سانس لے کر رہ گئی تھی۔

مومنہ جو بے حد حساس اور خود ارلڑی تھی، ایک مرتبہ پھر اتنی ذلت اور بے عزتی کو پس پشت بھلا کر علی کو منانے کے لیے رضامند تھی، اس نے میج کیا، مگر دوسری طرف بدگمانی اتنی شدید تھی کہ اسے مومنہ پہ اب اعتبار شاید نہیں رہا تھا، اس نے مومنہ کے میجر کو تحارت سے دیکھا اس کا نمبر بلیک لسٹ میں ایڈ کر کے وہ اطمینان سے دوستوں میں مووی انجوائے کر رہا تھا۔

صائمہ بہت مطمئن تھی، ان کا اکلوتا بیٹا جو کل تک مومنہ کا دیوانہ تھا، آج شدید بدظن تھا، ان کے لیے اس سے بڑی خوشی کی کیا بات تھی، ان کا بیٹا مکمل ان کے اختیار میں تھا، انہوں نے مومنہ کو رسوا کر دیا، ایک تسکین کا احساس ان کے اندر سرایت کر گیا تھا۔

ماموں کا فون آیا تو مومنہ نے ان کی طبیعت کا بتایا، وہ پریشان ہوئے اور علی پہ حیران ہوئے کہ وہ اتنا بے حس اور بے ضمیر کیسے ہو گیا، بیوہ خالہ جواسے بیٹوں کی طرح چاہتی تھیں، ان کی خیریت تک دریافت کرنے نہیں آسکتا تھا، صائمہ کے تو خیر پیسے نے مزاج ہی بدل دیے تھے، ان سے بھلائی کی توقع رکھنا حماقت تھی، مگر علی کی غیر ذمہ داری بے حسی نے بہر حال انہیں حیران کیا تھا۔ انہوں نے علی کو فوراً فون کیا اور پچھلی رات کے واقعے سے آگاہ کیا، علی نے بڑے سکون سے سنا اور کہا۔

”ماموں! آپ بڑے بھولے ہیں، یہاں مومنہ کے ہزاروں ہمدرد ہیں وہ لوگ مزے میں ہیں، ان کے لیے پریشان مت ہوا کریں۔“

یہ بات مومنہ تک بھی مامی کے ذریعے پہنچ گئی اسے بے حد دکھ ہوا، علی اس گھنٹیا پن پر اتر آئے گا، اسے اب رسوا کر دے گا، وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، وہ اتنا بدل جائے گا کل تک جودن میں اسے دیکھ نہ لے اس کا دن نہیں گزرتا تھا اور اب اتنی نفرت؟ کہاں گئے تھے وہ وعدے، کیا سب جھوٹ تھا، ڈھونگ تھا، مومنہ کا دل رو رہا تھا، اس نے سچے دل سے صرف علی کو چاہا تھا۔

علی کے دل میں اس وقت محبت نامی احساس کہیں بھی نہیں تھا، شاید اسے محض مومنہ کے حسن سے محبت تھی، اس حسن کو پانے کی تمنّا تھی اس کے جذبات سے سرکار نہ تھا۔

نجانے کس گمان کے تحت اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور علی کا نمبر ڈائل کیا، دوسری جانب بیل جا رہی تھی، اس کے دل کی دھڑکنیں ایک لمحے کو رک گئیں، دوسری جانب سے کال اٹینڈ نہیں کی گئی، اس نے بے تابی سے دوبارہ نمبر ملایا، اس دفعہ تیسری بیل پہ اس کی کال کاٹ دی گئی، مومنہ کے دل کو دھچکا لگا، اب وہ پاگلوں کی طرح بار بار نمبر ڈائل کر رہی تھی، لیکن ہر دفعہ اس کی کال کاٹ دی جاتی۔

”علی! میری کال اٹینڈ کرو۔“ اس نے ایک ٹیکسٹ اسے بھیجا۔

”میں تمہاری آواز نہیں سننا چاہتا۔“ دوسری طرف سے آنے والے مسیح پڑھ کر مومنہ کو لگا جیسے کسی نے اسے گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو، اس نے سیل فون بیڈ پر پھینک دیا۔

”علی میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔“ ایک پریشان کن سوچ نے اس کے ذہن کا احاطہ کیا وہ حد درجہ ذہنی خلفشار کا شکار ہوئی، اس ذہنی پراگندگی کے ساتھ وہ اندھیرے کمرے میں بیٹھی تھی، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

☆☆☆

”عمر! تم آج کل کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو؟“

”نومما! آج کل ملک کے معاشی حالات اچھے نہیں ہیں۔“ عمر نے بہانہ بنایا۔

”چلو اٹھو، صائمہ بہن کی طبیعت پوچھیں، ان کی عیادت کریں۔“ سائرہ میڈم بولیں تو عمر بھی جانے پہ رضامند ہو گیا، کچھ دیر میں وہ جانے کے لیے تیار تھے۔

اس دوران صائمہ کو رشتے داری دکھاوے کا خیال آیا علی کے ہمراہ مومنہ کے گھر سردمہری سے آئیں، عیادت تو کیا کرنی تھی مومنہ پر تنقید شروع کر دی۔

”دھیان سے اڑو بی بی فضا میں بہت عقاب ہیں۔“ صائمہ خالہ نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنز کیا۔

”نصیحت کا شکریہ، میں اپنی فضاؤں میں اپنی حدود میں اڑتی ہوں۔“

”بہت غرور آ گیا ہے، تم میں کسی کو اپنے آگے سمجھتی نہیں ہو؟“ علی نے زہر خندانہ انداز میں کہا۔

”یہ وصف آپ کا ہے، میری کیا مجال۔“ مومنہ نے آج ندبے نہ ڈرنے کا سوچ لیا تھا۔

عمر اور سائرہ میڈم اس سے قبل کہ دروازہ بجاتے اندر سے آنے والی آوازوں نے انہیں چونکا دیا، قدم وہیں رک گئے تھے اندر سے آنے والی آوازیں بڑی صاف اور واضح تھیں، وہ واپس پلٹ جانا چاہتے تھے کہ یہ ان کا خاندانی میٹر تھا، مگر قدم جیسے زمین سے چپک ہی گئے تھے۔

”تم جیسی لوئر مڈل کلاس لڑکیاں ایسے ہی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں، پہلے علی کو اپنے دام میں پھانسا اور اب باس۔“ صائمہ خالہ نے حقارت سے کہا۔

”خالہ! آپ نے علی کی خواہش پہ آ کر خود مومنہ کا رشتہ طلب کیا تھا، مومنہ کی کبھی کوئی خواہش نہیں رہی تھی۔“

نمرانے یاد دلایا۔

”مجھے کیا پتہ تھا، میں جس لڑکی کو اپنانے جا رہا ہوں، اس کے کردار میں مجھول ہے۔“ علی نے بڑی سفاکی سے

کہا۔

”علی! تمہیں کس نے حق دیا ہے تم جب بھی دل چاہے میرے کردار پہ کیچڑ اچھالو، مجھے میری نگاہ میں گرانے کی

کوشش کرو۔“ مومنہ کی آنکھیں اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”تم کسی بھی طرح میرے بیٹے کے قابل نہیں تھی، تمہیں اس سے اچھا لڑکا ہم دیکھتے ہیں کہاں سے ملتا ہے، ہم

نے تم پہ یتیم سمجھ کر احسان کیا تھا۔“ صائمہ نے سفاک انداز میں کہا تھا۔

”مجھ پر احسان مت کیجیے، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔“ مومنہ نے بے حد دکھ سے کہا تھا۔

”دیکھ رہے ہو، کیسے تن کراپنے پیروں پہ کھڑی ہے، بے شرمی دیکھو۔“ صائمہ خالہ اس کا اعتماد اس کا جواب دیکھ کر سن کر آگ بگولہ ہو گئی تھیں، ان کا خیال تھا علی کے لیے وہ ان کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گی۔

”میں سر اٹھا کرتی کر آپ کے سامنے اس لیے کھڑی ہوں، میرے اندر کوئی کھوٹ نہیں ہے، میں اندر سے شفاف ہوں، سو میں کسی بات پہ پشیمان نہیں، نہ اپنے کسی عمل پہ پچھتاوا ہے۔“ وہ بے حد سکون سے بول رہی تھی۔

”تم سب کچھ پیسوں کے لیے کر رہی ہو، کیا نہیں ہے میرے پاس، گھر دولت جائیداد۔“

”بولو کتنا پیسہ چاہیے۔“ علی نے شدید غصے میں والٹ اٹھا کر ہزاروں نوٹ اس کی طرف اچھالے تھے۔ اس تو جین آمیز انداز پہ وہ صبر بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

”مجھے اپنے لیے کسی دولت مند جائیداد کے مالک شوہر کی ضرورت نہیں، میں دولت کے بغیر زندگی گزار سکتی ہوں مگر عزت اور محبت کے بنا نہیں، تو یہ آج فیصلہ ہو گیا تم مجھے عزت نہیں دے سکتے۔“ مومنہ نے پیسے اٹھائے اور اس کی طرف اچھال دیے۔

”اپنی یہ خیرات اپنے پاس رکھو۔“

”تم ہو ہی کر پٹ لڑکی۔“ علی کی انا کو شدید ٹھیس پہنچی تھی۔

”آپ لوگوں نے جو کہنا تھا کہہ چکے ہمیں ذلیل و رسوا کرنا تھا وہ بھی کر لیا گھر آئے مہمانوں کو ہمارے یہاں بے عزت کرنے کا رواج نہیں، ورنہ آپ دونوں کو اس سے اچھا جواب دے سکتے تھے، آپ براہ مہربانی یہاں سے تشریف لے جائیے، اس سے زیادہ برداشت کی سکت نہیں ہم میں اور یہ انگوٹھی بھی لے جائیے۔“ مومنہ نے خالہ کے سامنے رکھی وہ انگوٹھی لے کر کر کے نہیں تھے، مومنہ تھک کے بیٹھی تھی، وہ تینوں خاموش تھیں اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں ایک طوفان تھا اور چلا گیا تھا۔

باہر کھڑے میڈم سارہ اور عمر کو دیکھ کر چونک گئے تھے، میڈم عمر کو لے کر اندر آ گئیں۔

”مومنہ بیٹے ممکن ہو تو ہمیں معاف کر دیجیے، جان بوجھ کر ہم نے آپ کو تکلیف پہنچانے کا بندوبست نہیں کیا تھا، ہمارے تعلقات کو لوگ اس طرح دیکھیں گے ہم نہیں جانتے تھے۔“ شرمساری، ملال پچھتاوا کیا کچھ نہ تھا ان کی آواز میں۔

”آئی! آپ مت شرمندہ ہوں یہ مومنہ کا نصیب تھا۔“ نمرانے انہیں شرمندگی کے حصار سے باہر نکالنا چاہا لیکن دل ہی دل میں ان کے بڑے پن کی قائل تھی۔

”مومنہ کا نصیب تو بہت خوبصورت ہے یہ اب میری بیٹی بنے گی، صالحہ بہن کیا آپ کو منظور ہے عمر کا رشتہ؟“ سارہ میڈم نے دھماکہ ہی ایسا کیا کہ سب اپنی جگہ ہل گئے۔

صالحہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، اللہ نے کیسے قدردان لوگوں کو ان کی چوکھٹ پہ بھیجا تھا، بے شک وہ بزار حیم ہے، ان کے دکھ کا کیسا خوبصورت ازالہ کیا تھا۔

”سارہ بہن! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔“ صالحہ مسکرائیں۔

”خیر یہ تو ہماری خوش نصیبی ہوگی مومنہ جیسی بیٹی آپ جیسی سدھن مل جائے گی۔“ سارہ میڈم نے انہیں ٹوکا۔

”لے، لیکن لوگ کیا کہیں گے، ان کا الزام تو پھر صحیح ثابت ہو جائے گا۔“ مومنہ خوفزدہ ہوئی۔

”بیٹا! ہمیں ان لوگوں کی پرواہ نہیں ہے، ہم دونوں بہنوں میں گہرا تعلق تو کبھی نہ تھا مگر جو رسی سا تھادہ آج اس نے میری پاک دامن بیٹی پہ لازم لگا کر ختم کر دیا ہے“ صالحہ حقیقت پسند بن کر سوچ رہی تھیں۔

”امی ٹھیک کہہ رہی ہیں، ان ظالم لوگوں کے خوف سے ہم اپنی زندگی خراب کیوں کریں، انہیں ہماری پرواہ نہیں تو ہمیں بھی نہیں ہے۔“ نر اصف گوئی سے بولی تھی۔

”مومنہ! کیا تم بے حس بے ضمیر لوگوں کی وجہ سے آنے والی بہار کو خوش آمدید نہیں کہو گی، یا ان کا سوگ مناتی رہو گی۔“ میڈم نے لتاڑا۔

”مجھے ان لوگوں کی پرواہ نہیں ہے۔“ مومنہ آہستگی سے بولی تھی۔

”میں انگوٹھی تو لائی نہیں اس نیت سے نہیں آئی تھی، فی الحال اس سے بنیاد رکھتے ہیں۔“

میڈم نے اپنی انگلی سے نکال کر اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی تھی۔

”آج ہی صبح دن تھا یہاں آنے کا۔“ عمر بے ساختہ بولا تھا۔

مومنہ بے ساختہ مسکرا دی اس کے چہرے پر شرمین مسکراہٹ پھیل گئی، بے اختیار اپنی پلکیں جھکا گئی تھی۔

مومنہ کے سادہ چمکتے روپ اور اس انداز کو دیکھ کر عمر ولید کو لگا تھا کہ اس سے بڑھ کر خوبصورت نظارہ شاید اس نے کبھی نہ دیکھا ہو۔

## وہی مٹی ستارا ہے

”تم لکھ کر رکھ لو دنیا میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ایک انڈا فرائی کرنے کو کہا تھا وہ بھی پیاز جلادی۔“ علی نے تاسف سے ٹی ہوئی پیاز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”نوکر نہیں ہوں تمہاری، کھانا ہے تو کھاؤ، ورنہ جاؤ۔“ غیرہ نے ازلی بے نیازی سے جواب دیا۔

”شادی کے بعد اپنے شوہر سے ایسے کہنا پھر تمہیں پتہ چلے گا۔“ علی نے دھمکایا۔

”وہ تم جیسا نہیں ہوگا۔“ غیرہ نے مزے سے کہا۔

”وہ مجھ سے اچھا بھی نہیں ہوگا۔“ علی نے یقین سے کہا۔

”بڑی خوش فہمی ہے۔“ غیرہ نے مذاق اڑایا۔

”نہیں یقین ہے۔“ علی نے اطمینان سے کہا۔

”علی..... اچھا بھلا انڈا فرائی کیا ہے میری بیٹی نے۔“ صفیہ نے محبت سے غیرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”امی..... آپ بھی نہ قسم سے اپنی بھانجی سے اندھی محبت کرتی ہیں، یہ جلی ہوئی پیاز صاف نظر آرہی ہے۔“ علی نے چچ سے جلی ہوئی پیاز ایک طرف کی۔

”چل اب باتیں نہ بنا، دوکان پر گاہک تیرا انتظار کر رہے ہوں گے۔“ صفیہ نے اس کی توجہ دلائی۔

”جار ہا ہوں۔“ علی نے چائے کا کپ اٹھایا۔

”شام میں جلدی آنا میری دوست کی شادی ہے۔“ غیرہ نے یاد دلایا۔

”مجھے یاد ہے، میں آٹھ بجے تک آؤں گا۔“ علی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ خوشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

غیرہ نے جلدی جلدی گھر کے سارے کام کیے اور سویرا کی مہندی میں جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ صبح سے ہلکی بارش کا آغاز ہوا تھا اور اب اس میں تیزی آ گئی تھی۔ موسم کی سحر انگیزی نے اس کے موڈ کو خوشگوار کر دیا تھا۔ وہ شاعرانہ مزاج کی حامل، خوب صورت موسم کی دیوانی، خواب دیکھنے والی رومانٹک لڑکی تھی۔

”تم تیار ہوگئی؟“ علی اس کے کمرے میں آیا۔ جہاں وہ آئینہ دیکھنے میں مگن تھی۔

”میں تیار ہوں۔“ وہ بغور آئینہ دیکھ رہی تھی۔ علی نے اسے دیکھا۔ سبز اور پیلے رنگ کے شیفون کے سوٹ کی سلائی بڑی مہارت سے کی گئی تھی۔ جو اس کے متناسب اور چھریرے بدن پر خوب بیچ رہا تھا، مقیش لگا پیلا اور سبز دوپٹہ اس نے کندھوں پر سیٹ کیا ہوا تھا، اپنی گلابی رنگت اور غزالی آنکھوں سمیت تیکھے تیکھے نقوش لیے اس کے دل میں اتاری جا رہی تھی۔ علی نے نگاہیں اس کے دلکش چہرے سے ہٹائیں۔

”غیرہ! چادر اچھی طرح پلیٹ کر آنا۔“ وہ کہہ کر رکنا نہیں تھا۔

”اف علی کی یہ فرسودہ سوچ۔“ غیرہ تپی مگر چادر لے لی جانتی تھی اس کے بناوہ لے جانے پر کبھی رضا مند نہیں

ہوگا۔

مامی نے حسب عادت اس پر دعائیں پڑھ کر پھونکیں، دس منٹ میں وہ بانیگ پر علی کے ساتھ علیینہ کے گھر آ گئی۔

”سنو مووی مت بنوانا اور اپنا خیال رکھنا۔ میں باہر رہوں گا۔“ علی نے تلقین کی۔

”اوکے۔“ وہ اندر آئی۔ چادر تہہ لگا کر کرسی پر رکھی۔

سویرا اسٹیج پر بیٹھی تھی، اس کے ارد گرد اس کے رشتے داروں کا جھوم تھا۔ سویرا اس کی کلاس فیلو تھی۔ سویرا کے علاوہ وہ اس کے گھر میں کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ اس لیے اس وقت وہ تنہا بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ اپنے چہرے پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کر کے وہ چونکی۔

کچھ فاصلے پر بلیک پننٹ اور وائٹ شرٹ پہنے ایک ہینڈ سملز کے کواپنی سمت نکلتے پایا تو وہ گھبرا گئی۔ اس نے مسکرا کر اشارے سے سلام کیا۔ غیرہ کا دل دھڑکا اور وہ خوفزدہ ہو گئی تھی، اس نے جگہ بدل لی، اب وہ اس کی نگاہوں سے اجھل ہو گئی تھی۔

”آپ یہاں بیٹھی ہیں؟“ اجنبی آواز پہ وہ چونکی۔

سامنے وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”جی.....“

”چلیں مووی بنوائیں۔“ وہ بے تکلفی سے بولا۔

”نہیں مجھے شوق نہیں ہے۔“ غیرہ جھجکی۔

”مووی نہیں بنوائیں گی تو سویرا کو کیسے پتا چلے گا کہ اس کی دوست ان کی مہندی میں آئی تھی۔ اور اتنی حسین لگ

رہی تھی۔“ اب وہ برابر بیٹھ گیا تھا۔

”میں شہر یار ہوں، سویرا بھابی کے ہونے والے میاں کا قریبی دوست اور آپ؟“ وہ محبت اپنائیت اور شائستگی

سے بات کر رہا تھا۔

”میرا نام غیرہ ہے میں سویرا کی کلاس فیلو ہوں۔“ غیرہ کی جھجک اب ختم ہو گئی تھی۔

شہر یار کے کہنے پر وہ کچھ دیر جربز ہوتی رہی، پھر اٹھ کر اسٹیج پر آ گئی اور مووی کیسروں کی تیز روشنی میں وہ مزید حسین لگنے لگی تھی۔ شہر یار اسے دیکھتے ہی دل ہار بیٹھا تھا۔ اس کی برسوں کی تلاش آج ختم ہو گئی تھی۔

شہر یار موقع کی تلاش میں تھا کہ اس کا نمبر لے سکے مگر اسٹیج پر غیرہ کو اپنی دیگر کلاس فیلو لگئیں، وہ ان سے باتوں

میں مگن ہوئی تو شہر یار کو مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

علی کے ساتھ جب وہ بایک پر بیٹھ رہی تھی تب وہ اسے بلیک کار میں بیٹھا نظر آیا، شہر یار نے اسے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کیا اور نظر بھر کر دیکھا۔ عبیرہ کا دل دھڑکا تھا۔ تمام راستے اس نے خود کو شہر یار کی نگاہوں کے حصار میں محسوس کیا۔ راستے بھر وہ خاموش رہی علی کی بے تنگی باتوں کا آج کوئی جواب نہ تھا۔ ورنہ وہ بہت جلد چڑ جاتی تھی اور خوب سناتی تھی۔ صبح دس بجے کا وقت تھا، علی شاپ پر تھا، مای سبزی لینے گئی تھی۔ وہ ٹی وی پر ریپٹ ٹیلی کاسٹ میں ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ مسلسل بجتی فون کی بیل نے اسے ڈسٹرب کیا تو وہ ٹی وی کی آواز بند کر کے بے دلی سے اٹھی۔

”ہیلو۔“

”السلام علیکم!“ دوسری طرف سے بڑے ہی گھمبیر لہجے میں کہا گیا۔ عبیرہ خاموش رہی۔

”آپ عبیرہ ہیں.....؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”جی آپ کون؟“ وہ حیران ہوئی۔

”میں شہر یار ہوں۔ کل رات آپ کو سویرا بھابی کی مہندی میں دیکھا تھا۔ جب سے آپ کی تلاش میں ہوں۔“ اس کا دلکش انداز عبیرہ کے اندر ہلچل مچانے لگا۔

”آپ کا سیل نمبر مل سکتا ہے؟“

”میرے پاس موبائل نہیں۔“ عبیرہ نے بہانہ بنایا۔

”تو آپ جھوٹ بھی بولتی ہیں۔“ وہ مزے سے بولا۔

”اف کتنا چالاک لڑکا ہے۔“ عبیرہ نے سوچا۔

”نمبر دینے میں اتنی سوچ و بچاؤ بھی اس چھوٹی سی عمر میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔“ وہ شوخ ہوا۔

”میں اجنبی لوگوں کو نمبر نہیں دیتی۔“ عبیرہ نے رکھائی سے کہا۔

”میں اجنبی نہیں رہنا چاہتا۔ آپ سے مضبوط رشتہ بنانا چاہتا ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ دوسرے ہی لمحے عبیرہ

اسے سیل نمبر لکھوا رہی تھی۔

”آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟“ شہر یار نے بڑی ادا سے پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

”اس کا مطلب ہے میں آپ کو فون کر سکتا ہوں۔“

”جی.....“ اس نے دھیمے سے کہا۔

عبیرہ کی زندگی میں خوب صورت موڑ آ گیا تھا، وہ بے حد خوش تھی، شہر یار جیسے لڑکے کے اس نے جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھے تھے۔ وہ خواب اتنی جلدی پورے ہو گئے، اسے خود پرنا ہونے لگا۔

☆☆☆

آپ جیسا کوئی میری زندگی میں آئے

تو بات بن جائے ہاں بات بن جائے

تہا دل نہ سنبھلے گا آپ کو ہی چاہے گا

آپ سائباں ہل آپ کو ہی چاہیے گا  
وہ جیسی آواز میں گنگنا رہی تھی۔ گھر کے کام اس نے خوشدلی سے اور تیزی سے کیے تھے۔ سارے کام ختم  
کر کے وہ پڑھائی کا بہانہ بنا کر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ وہ شہر یار کا ہی سوچ رہی تھی۔ جب ہی موبائل پر اس کی کال آئی۔  
دوسری ہی بیل پر اس نے تیزی سے کال ریسیو کی تھی۔  
”انتظار کر رہی تھی؟“

”ہاں۔“ وہ بے اختیار ہوئی۔

شہر یار جان گیا تھا۔ وہ غیرہ کے دل تک راستہ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ دونوں رات گئے تک خوب  
صورت باتوں میں مگن رہے۔ علی باہر بور ہوتا رہا، وہ غیرہ سے بہت محبت کرتا تھا مگر کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ غیرہ محض چار برس  
کی تھی جب اس کے امی ابو میں طلاق ہو گئی۔ غیرہ کے ابو نے دوسری شادی کر لی، غیرہ کی امی غیرہ کو لے کر میکے آ گئی۔ غیرہ  
کے ماموں فرقان بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ ایسی ہی ان کی اہلیہ صفیہ تھیں۔ ان کا ایک چھ سال کا بیٹا علی تھا۔ فرقان  
احمد کی کراکری کی بڑی دوکان تھی جو خوب چل رہی تھی۔ انہوں نے کشادہ دل سے بہن اور بھانجی کی ذمہ داری قبول کر لی۔  
علی اور غیرہ کا بچپن ساتھ کھیلتے کودتے گزرا تھا۔ غیرہ کی والدہ کی فرقان احمد نے جدہ میں دوسری شادی کر دی تھی۔ جدہ میں  
وہ اپنے شوہر باسط کے ہمراہ بے حد خوش تھیں لیکن غیرہ یہاں بہت تنگ کرنے لگی تھی۔ غیرہ کو سب گھروالوں نے بہت توجہ  
اور محبت دی وہ چھوٹی تھی رفتہ رفتہ سب بھول گئی۔ فرقان احمد دل کے مریض تھے علی ان دنوں فرسٹ ایئر میں تھا۔ جب وہ  
فوت ہوئے علی نے امی اور غیرہ کو حوصلہ دیا اور خود ماموں کی دکان سنبھال لی۔ اب وہ کالج کم ہی جاتا تھا دکان پر اس کی  
ضرورت تھی وہ صبح گیارہ رات میں آتا تھا۔ غیرہ اسے دکان دار کہہ کر چڑاتی تھی اسے شروع سے دکان دار برے لگتے تھے وہ  
ہمیشہ بزنس مین امیر ہمسفر کا خواب دیکھتی تھی۔

”مجھ سے ملو گی؟“ اس کے دلکش انداز پر وہ خاموش ہو گئی؟

”مشکل ہے۔“ غیرہ نے اپنے دل کو سنبھالا۔

ہم کو جدانہ کر دے یہ ایک فرق ذرا سا

تم فاصلوں کے قائل میں قربتوں کا پیاسا

شہر یار نے معنی خیز انداز میں شعر پڑھا۔ غیرہ کا دل دھڑکا تھا۔

ان سے ملنے کا کیا سوال عدم

وہ صدا میرے پاس ہوتے ہیں

غیرہ نے جواباً شعر سنایا۔ شہر یار نے قہقہہ لگایا اس کے برجستہ جواب پر۔

”بڑی چالاک ہو تم۔“

کاش اسے معلوم نہ ہو عدم

وہ ہمیں زندگی سے پیارا ہے

شہر یار گنگنا یا۔ رات تک وہ اس سے ملنے کو تیار ہو گئی تھی شہر یار کی محبت اس کے دل اور وجود پر قابض ہو چکی تھی

وہ پوری رات جادوئی اثر رکھنے والے لفظوں کو اپنے ارد گرد گونجتا سنتی رہی تھی۔



آج اتوار کا دن تھا علی کے لیے یہ پسندیدہ دن ہوتا تھا جس دن وہ لمبی تان کر سوتا تھا۔ وہ نہادھو کر فریش ہو کر آیا تو نظرِ عبیرہ پر پڑی گرے سبز رنگ کے سوٹ میں اس کی رنگت چمک رہی تھی میوزک آن کیے وہ ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔

”نور جہاں کی کچھ لگتی ناشتہ ملے گا۔“ علی نے اسے چھیڑا۔

”ابھی لائی۔“ اس نے خلاف توقع نرمی سے سیدھا جواب دیا۔

”صبح صبح نہ نماز نہ قرآن، شیطانی کام۔“ علی نے دوبارہ چھیڑا۔

”صبح نہیں ہو رہی، بارہ بج رہے ہیں۔“ اب کے وہ طوفانی انداز میں آئی اور ناشتہ بنایا۔

”مجھے نزلہ ہو رہا ہے مجھے کچھ نہ کہا جائے۔ ڈسٹ سے مزید طبیعت خراب ہونے کا خدشہ ہے۔“ عبیرہ کہہ کر

کمرے میں بند ہو گئی۔

”اسے کیا ہوا ہے؟“ علی نے امی سے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔ جب سے اس کے پیپر شروع ہوئے ہیں سارا دن کمرہ بند کیے پڑی رہتی ہے میں تو خود بور ہو جاتی

ہوں۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”وہ کب سے پڑھنے کی شوقین ہو گئی۔“ علی بڑبڑایا۔

”کوئی اور معاملہ لگتا ہے۔“ علی نے سوچا۔ علی کا شبہ تیزی سے یقین میں بدلتا جا رہا تھا، وہ مکمل عبیرہ پر نظر رکھے

ہوئے تھا۔

”تمہیں آج کل کوئی اور کام نہیں ہے جو سارا دن میرے پیچھے گھومتے ہو۔“ وہ علی سے الجھنے لگی۔ وہ کب سے

موقع ڈھونڈ رہی تھی۔ شہر یار سے باتیں کرنے کا اور علی اس کے سر پر سوار تھا۔ علی نے صوفے پر رکھا اس کا موبائل اٹھایا۔

”مت تھکاؤ اپنے دماغ کو اور مہربانی کر کے میری جاسوسی میں مت لگے رہا کرو۔“ عبیرہ بے اعتنائی سے بولی۔

”تم آج کل خوابوں کی دنیا میں گم ہو۔ نادانی میں کچھ غلط مت کرنا۔“ علی نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں کچھ غلط نہیں کر سکتی اور تم میری فکر مت کرو۔ میں بیوقوف نہیں ہوں۔“ عبیرہ برا مان گئی۔

”مامی! سویرا آج میکے آئی ہے میں اس سے ملنے جاؤں گی۔“ عبیرہ نے اجازت طلب کی۔

”جاؤ بیٹا دھیان سے اپنا خیال رکھنا۔“ مامی نے اجازت دی۔

بظاہر بیوی دیکھتا علی عبیرہ کی جانب متوجہ ہوا تھا جبکہ عبیرہ آئینہ دیکھنے میں مگن تھی اسے جب بھی فرصت ملتی وہ

اپنی گرومنگ میں لگ جاتی۔ سیاہ سوٹ پہنے وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی سیاہ سلکی بال کھول رکھے تھے وہ بڑا دل لگا کرتا رہوئی

تھی سیاہ میچنگ چوڑیاں پہنی ہوئی وہ لنگنار ہی تھی۔

سویرا کے گھر علی نے اسے ڈراپ کر دیا تھا سویرا اپنے سسرال ہی تھی۔ پانچ منٹ اس کی امی کے پاس بیٹھ کر وہ

باہر آئی۔ شہر یار اس کا منتظر تھا گاڑی میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔

”میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اب تم سے دور رہنا میرے بس میں نہیں۔“ شہر یار نے اس کا نازک خوب

صورت ہاتھ تھا۔ وہ اسے ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں لے کر آیا تھا جس کے سامنے سے گزرتے ہوئے کالج جاتے ہوئے

عبیرہ کبھی یہاں لے جانے کی حسرت کرتی تھی۔

مینیو کارڈ دیکھتے ہوئے شہریار نے اس کی پسند پوچھی مگر وہ جھجک رہی تھی شہریار نے غیرہ کے منع کرتے کرتے سب کچھ آرڈر کر دیا تھا۔ شہریار کی بے باک گفتگو پر اس کے شفیق چہرے پر دھنگ اتر رہی تھی گال تھمار ہے تھے نگاہیں بار بار چلیا سے جھکی تھیں۔

”آپ پڑی سے اتر رہے ہیں میں چلی جاؤں گی۔“ غیرہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ شہریار نے تہقہہ لگایا۔ اس کا بھولپن اس کی من موہنی صورت اسے بے قابو کرتی تھی۔

”میں نے تمہارے لیے ایک معمولی سا گفٹ لیا ہے۔“ شہریار نے محبت سے کہا۔

”آپ ہی میرے لیے کافی ہیں۔ یقین کیجیے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔“

”تمہیں کچھ چاہیے ہو یا نہ چاہیے ہو، لیکن میں نے تمہارے لیے بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔ میں تمہیں اچھا مستقبل دینا چاہتا ہوں میں تمہیں ہر آسائش ہر سہولت دنیا جہاں کی تمام نعمتیں دینا چاہتا ہوں۔“ غیرہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی وہ شہریار کے لیے اتنی اہم ہے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ شہریار نے جب سے ایک ڈبیا نکالی اس میں نازک خوب صورت سونے کی انگوٹھی جگمگاتی تھی شہریار نے اس کا ہاتھ تھاما۔

”نہیں پلیز..... یہ بہت مہنگی ہے۔ میں یہ نہیں لے سکتی۔“ غیرہ نے اپنا ہاتھ کھینچا۔

”دشش“ شہریار نے اس کے لبوں پر انگلی رکھی۔ اس کی جادوگر گہری آنکھیں غیرہ کی آنکھوں سے ملیں۔ لبوں نے اس کی انگلیوں کا لمس محسوس کیا۔ اس کا رواں رواں لرز کے رہ گیا۔ وہ اب تو کیا، دیر تک کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔ شہریار اسے انگوٹھی پہنارہا تھا۔

علی دور سے دیکھ رہا تھا اور نجانے کیسے ضبط کر رہا تھا وہ اپنے دوست کے ساتھ آیا تھا اس کے عزیز دوست نے اپنی نوکری ملنے کی خوشی میں اسے ٹریٹ دی تھی۔ اگر خرم کے سامنے تماشہ بننے کا ڈر نہ ہوتا تو ابھی شہریار کا گریبان پکڑ لیتا۔ جو اس کی عزت کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ غیرہ کی بے حیائی پر اسے رنج ہو رہا تھا۔ نجانے کیسے اس نے خرم کا ساتھ دیا۔ غیرہ اس کے سامنے شہریار کا ہاتھ تھامے گاڑی میں بیٹھی تو اس کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ خرم سے معذرت کر کے ان کے پیچھے گیا۔ مگر شہریار نے اسے گھر کے آگے ہی ڈراپ کیا تھا۔ جب وہ بانیک پر سے اتر شہریار جاچکا تھا اور اس کی تیزی بے سود رہی تھی۔

”غیرہ کہاں سے آ رہی ہو، تمہیں ذرا شرم نہیں آتی کسی اجنبی مرد کے ساتھ اس طرح گھومتے پھرتے، گھر والوں کو دھوکہ دیتے ہوئے۔“ علی نے غصے سے کہا جو اس وقت چادر لپیٹ کر بڑی بھونی بن رہی تھی۔

شہریار کی محبت نے اسے دلیر بنا دیا تھا۔ اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ ذرا بھی شرمندہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

”نہیں مجھے ذرا شرم نہیں آتی کسی اجنبی مرد کے ساتھ اس طرح گھومتے پھرتے۔“ غیرہ کا اطمینان بدستور تھا۔

”کون ہے وہ شخص اور کیوں گئی تھی تم اس کے ساتھ؟“ غیرہ کی ڈھٹائی اس کا ضبط ختم کرنے کا سبب بنی تھی۔

ایک جھٹکے سے اس کا بازو موڑ کر وہ پوچھ رہا تھا۔

”بازو چھوڑ میرا۔ اگر تم اپنی تعلیم مکمل کر لیتے تو آج یہ جہالت تمہارے اندر نہ ہوتی۔“ وہ تنفر سے بولی۔

”غیرہ.....“ وہ دکھ سے بولا۔

”بہت ہو گیا۔ تمہیں کوئی حق نہیں مجھے کچھ کہنے اور روکنے کا۔“ وہ حیا لائی۔

”کیا میرا تم پر کوئی حق نہیں؟“ وہ رنجیدہ ہوا۔

”کمزور کن ہی رہو۔“ عبیرہ بولی۔

”کیا میری آنکھوں میں تمہیں کبھی اپنے لیے محبت نظر نہیں آئی کیا میری محبت اتنی کمزور ہے۔“ علی کا دل اداس ہوا تھا۔

”عبیرہ ایسے امیر زادے خوبصورت لڑکیوں سے دل بہلاتے ہیں انہیں عزت نہیں دیتے۔“ علی نے سمجھانا چاہا۔

”وہ پوری عزت سے مجھے اپنانا چاہتا ہے۔ مجھ سے شادی کرے گا۔“ عبیرہ نے یقین سے کہا۔  
 ”عبیرہ مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم بہت ناداں ہو دنیا بہت شاطر ہے۔“ علی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے روکے۔

سوریا کے ساتھ شہر یار کی فیملی رشتہ لینے آئی۔ عبیرہ نے علی کو دیکھا۔ علی کی بات غلط ثابت ہوئی تھی وہ واقعی شادی کا خواہش مند تھا۔ وہ لوگ چلے گئے تھے۔ مامی اس کے کمرے میں آئی اور اسے ایک بار پھر سمجھایا، انہیں عبیرہ بیٹیوں کی طرح عزیز تھی مگر علی کے جذبات سے بھی واقف تھیں۔

”عبیرہ بیٹا تجھے وہاں بیاہنے پر دل نہیں مانتا۔“

”کیوں کیا کی ہے اس میں؟“ عبیرہ نے پوچھا۔

”بظاہر اس میں کوئی خامی نہیں ہے خوبصورت ہے مال و دولت والا ہے۔ گھر بھی اپنا ہے خاصا بڑا ہے مگر بیٹا پتہ نہیں کیوں دل نہیں مانتا۔“ وہ ابھیں۔

”مامی آپ سب وہم دل سے نکال دیں ایسا کچھ نہیں ہوگا جس کے دوسرے آپ کو ستارے ہوں گے۔“ وہ مطمئن تھی۔

”بیٹا میں نے تو سوچا تھا کہ تو ہمیشہ اسی گھر میں رہے گی علی کی دلہن بن کر۔“ انہوں نے شفقت سے کہا۔

”مامی اگر آپ نے مجھے پالا ہے مجھ پر احسان کیا ہے تو کیا احسان کا بدلہ ایسے لیں گی۔“ وہ بدلتا علی سے بولی۔

مامی کو اس کی بات سے بے حد تکلیف ہوئی تھی انہیں بہت دکھ ہوا تھا۔

”عبیرہ یہ کیسی چھوٹی بات کر دی بیٹا تو نے، میں نے تجھے سگی بیٹی سمجھ کر تیری پرورش کی ہے آئندہ ایسی چھوٹی بات مت کرنا۔“ انہوں نے تڑپ کر کہا۔ عبیرہ اسی پل شرمندہ ہو کر گلے لگ گئی۔

”سوری مامی میں نے آپ کا دل دکھایا۔“ انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

”بیٹا مجھے تیری خوشی علی کی خوشی سے بڑھ کر عزیز ہے میں آج ہی انہیں فون کر کے ہاں کرتی ہوں۔“ کمرے میں آتا علی تھکے تھکے قدموں سے واپس چلا گیا۔

پچھڑ جانے کی اذیت کو اگر تم جانا چاہو تو کچھ پل کو ذرا اپنی یہ سانس روک کر دیکھو۔ تمہیں محسوس ہوگا پچھڑنا موت جیسا ہے۔

اگلی مرتبہ شہر یار کی فیملی اسے انگوٹھی پہنا گئی تھی۔ علی کو تو چپ ہی لگ گئی تھی۔ مگر عبیرہ اتنی خوش تھی اس نے محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ علی کے عزیز دوست خرم نے اس کے لیے اپنے آفس میں جاب کی جگہ بنائی تھی اس جاب کے لیے علی بہت

خوش تھا اور انٹرویو کے لیے دن گن رہا تھا۔ صبح دیر سے عیرہ کی آنکھ کھلی تھی۔ صحن میں علی پرندوں کو دانہ ڈال رہا تھا۔  
 ”تم آج انٹرویو دینے نہیں گئے؟“ عیرہ نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”نہیں“

”لیکن کیوں؟“ عیرہ الجھی۔

”میری مرضی۔“ وہ دستور پرندوں کو دانہ ڈالنے میں گن تھا۔ ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔  
 ”یہ انٹرویو تمہارے لیے بہت اہم تھا تم نے اپنا نقصان کیوں کیا؟“ وہ اب خفا ہو رہی تھی۔

”میرا جو نقصان ہونا تھا وہ ہو چکا مزید کی اب مچھائش نہیں۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔ عیرہ محض بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”سوری علی..... میں نے اس دن بڑی بد تمیزی کی تم سے، تم برامت ماننا، مجھے پتہ ہے تمہیں دکھ ہوا ہے تم بھی میرے بہت اچھے دوست ہو۔“ عیرہ شرمندہ تھی۔ کچھ بھی تھامی اور علی کے اس کے اوپر بہت احسانات تھے۔ ان لوگوں نے اس وقت محبتیں دیں جب اس کے والدین اسے تنہا چھوڑ کر اپنا نیا گھر بسا چکے تھے۔  
 ”میں ناراض نہیں ہوں عیرہ۔“ بیگانگی سے بولا۔

”تم بہت اچھے ہو۔ میں تمہارے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈوں گی۔“ عیرہ نے ماحول بدلنا چاہا۔ علی اب خاموش ہی رہا کیسے کہتا اور کیا کہتا اور کیا اب اس کا فائدہ ہوتا تھا۔ سب لا حاصل رہنا تھا۔

مگنی اور شادی کے درمیان کا وقت بے حد حسین تھا اس نے سب شاپنگ اپنی پسند کی کی تھی۔ شہر یار نے بری اسے ساتھ لے جا کر دلائی تھی وہ اس کا اتنا خیال کر رہا تھا وہ حیران ہوتی تھی سویرا اس پر رشک کرتی تھی۔ شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔ عیرہ کا ٹکنا بند تھا وہ مایوں بیٹھ گئی تھی شادیوں میں ہونے والی افراتفری یہاں بھی نظر آ رہی تھی۔  
 عیرہ کی امی بھی جدہ سے آگئی تھیں اس کی اپنی امی سے بے تکلفی نہیں تھی ان دونوں میں وہ محبت نہیں تھی جو ماں بیٹی میں ہوتی ہے مگر عیرہ بہر حال ان کی عزت کرتی تھی اور ان کا احترام اس پر واجب تھا۔ عیرہ کی امی عیرہ کے لیے گولڈ کا سیٹ لے کر آئی تھی۔

”بھابی میں اپنی بیٹی سیرا کے لیے علی کا رشتہ چاہتی ہوں۔ تصویریں آپ نے دیکھ لی ہیں۔“ اس کی امی کی بات پر عیرہ چونگی اور شرارتی نظروں سے علی کو دیکھنے لگی۔ علی کا چہرہ بے تاثر تھا۔

”میں چاہتی ہوں اس سردیوں میں ہی شادی ہو جائے۔“ وہ بول رہی تھی۔

”پھپھو میں ابھی شادی کرنے کے قابل نہیں۔ مجھے کچھ اور کرنا ہے۔“ علی نے ٹالا۔

”اچھی خاصی تمہاری اپنی دکان ہے، گھر ہے اور ہمارا بیٹا تو کوئی ہے نہیں اس لیے نعیم پریشان رہتے ہیں کہ جائیداد پتہ نہیں کیسے لوگوں کے پاس چلی جائے۔“ وہ پریشان تھیں۔ عیرہ کو ان پر ترس آیا۔

”امی علی بہت اچھا ہے، اور بہت قابل اعتبار بھی۔“ عیرہ نے کہا۔ وہ مسکرائیں۔

”میں جانتی ہوں۔ نعیم کی خواہش ہے لڑکا یہاں کا ہو مگر جدہ ہمارے ساتھ رہے، ہمارے گھر میں۔ ہمارا کاروبار

سنجھا لے،“ وہ بولیں۔

”پھپھو میں یہاں سے کہیں نہیں جاسکتا۔“

”بیٹا آج کل تو مادہ پرستی کا دور ہے اور ہر کوئی پیسہ حاصل کرنا چاہتا ہے تم اتنے اچھے موقع کو کیوں گنوار ہے ہو۔“ انہیں حیرت تھی۔

”میں یہاں بہت خوش ہوں۔ بہت مطمئن ہوں ترقی کرنی چاہیے اس کے لیے میں کوشاں ہوں لیکن صرف اپنے زور بازو سے کسی کے ذریعے نہیں۔“ اس نے معذرت کی۔

”تم اپنے ہو بیٹا تم پر بھروسہ بھی بہت ہے۔ میری تو خواہش غیرہ کے لیے تھی مگر اب غیرہ کی شہر یار سے شادی ہو رہی ہے تو میں نے میرا کا سوچا۔“ نعیم بھی تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔“

”میں ذرا انتظامات دیکھ لوں۔“ چھپو نے اس کے زخم ہرے کر دیے تھے۔

بالآخر شادی کی رات بھی آ گئی۔ ان دونوں کی جوڑی کو چاند سورج کی جوڑی کہا گیا وہ رخصت ہو کر شہر یار کے گھر آ گئی تھی۔ خوشبو میں بسا دلہنا پے کا روپ سجائے قیمتی زیورات اور جوڑے سے آراستہ اس چہرے کو وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا مگر آج تو انتہائی حسین لگ رہی تھی۔

”بہت حسین لگ رہی ہو، ایک ایک نقش حسن کی گواہی دے رہا ہے۔“ شہر یار نے انگلی سے اس کی آنکھوں کو ہونٹوں، گردن کو چھوا، شہر یار کا ہاتھ بول رہا تھا غیرہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا حیا سے نگاہیں جھکی رہیں۔

رات کے تین بجے کا وقت ہوگا۔ غیرہ کی رخصتی کے وقت ہی سب تھک گئے تھے بارات چونکہ لیٹ ہو گئی تھی اس لیے اس وقت تھک کر سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ اندھیرے میں علی تھا وہ خاصا ڈسٹرب اور ذہنی تناؤ کا شکار لگ رہا تھا تھکن سے برا حال تھا مگر اس وقت بھی نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس نے یکے بعد دیگرے تین سگریٹ پھونک ڈالے اس نے پہلے کبھی سگریٹ نہیں پیا تھا اس کا حلق جل رہا تھا شدت کی پیاس تھی وہ اس وقت بکھر ا ہوا تھا۔

میری آنکھوں میں رات جلتی ہے

رات میں کئی خواب جلتے ہیں

دیے جلتے ہیں

اسے یہ کیسے بتاؤں کہ

جان جلتی ہے

شب پھلتی ہے

لمحہ دل سلگتا ہے

دیے جلتے نہیں۔

اس کے دکھ کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

دوسرے دن ولیمہ تھا۔ ویسے میں وہ کل کی نسبت خاصی پر اعتماد لگا۔ رہی تھی خوشی اس کے چمکتے چہرے مسکراتے لبوں سے عیاں تھی۔

”خوش ہو؟“ علی نے پوچھا۔

”بہت زیادہ۔ میں تمہیں لفظوں میں بتا نہیں سکتی۔“ وہ چمکی، علی نے اسے صدق دل سے دعا دی تھی۔ خوشیوں

بھرے رومانٹک دن پر لگا رہے تھے۔

وہ صبح نماز کے وقت بیدار ہوئی۔ نماز پڑھی اور دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔ شہر یار گہری نیند سو رہا تھا باہر آ کر اس نے شہر یار کے کپڑے پر لیس کیے آنا گوندھا۔

شہر یار کی آنکھ کھلی عبیرہ برابر میں نہیں تھی۔ وہ اس کے حسین منہ کے وجود کا عادی ہو گیا تھا اٹھا اور باہر آیا عبیرہ نے صفائی ستھرائی سے گھر کا حلیہ بدلا ہوا تھا۔ نئی نویلی دہن مستعدی سے کاموں میں مگن تھی۔ عبیرہ نے ناشتہ بہت لگن سے بنایا تھا۔

”پراٹھا کچا اور موٹا ہے انڈے میں نمک بھی کم ہے۔“ شہر یار بولا عبیرہ شرمندہ ہوئی۔

”کیا تم شادی سے پہلے کھانا نہیں پکاتی تھیں؟“

”میں ہی پکاتی تھی کھانا۔“ عبیرہ بولی۔

”تو وہ لوگ کھا لیتے تھے، خیر انہیں کیا پتہ اچھا کھانا کیا ہوتا ہے۔“ شہر یار نے طنز کیا۔

”مامی کو بہت اچھا کھانا پکانا آتا ہے۔“ عبیرہ کو شہر یار کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

”تو تمہیں کیوں نہیں سکھایا؟“ اس نے ہنس کر کہا۔

”سکھایا تو ہے مجھے سب پکانا آتا ہے۔“ عبیرہ دھیسے سے بولی۔

”تم جہاں سے آئی ہو، وہاں سے مجھے تم سے توقع تھی کہ بہت تم سکھڑ اور خدمت گزار ہوگی، صرف خوب صورت چہرہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا، میاں کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے،“ عبیرہ کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ بلا وجہ کیوں تنقید کر رہا ہے جب کہ ناشتہ ٹھیک ٹھاک بنا تھا۔

اس کے بعد معمول بن گیا وہ اس کے ہر کام میں عیب نکالتا۔ وہ ہر کام پہلے سے زیادہ محنت سے کرتی لیکن اسے کچھ پسند نہ آتا عبیرہ نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اسے کچھ دنوں سے مامی اور علی کی یاد آ رہی تھی۔

”آج مجھے مامی کے گھر ڈراپ کر دیں۔“ عبیرہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”تیار ہو جاؤ۔“ شہر یار نے کہا۔ وہ خوشی سے تیار ہونے لگی۔ پانچ منٹ کا فاصلہ تھا مگر وہ مہینوں ترستی رہتی تھی۔

شہر یار کو میکے بھاگ بھاگ کر جانے والی لڑکیاں بری لگتی تھیں اس لیے عبیرہ اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات اور کوئی کام نہیں کرتی تھی مگر شہر یار کا دل جیتنا آسان نہیں تھا۔ گھر آئی تو مامی سے ایسے ملی جیسے برسوں بعد ملی ہو۔

”مامی آپ بہت یاد آتی ہیں۔“ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔ مامی بھی ضبط نہ رکھ سکیں۔

”کیسی ہو عبیرہ؟“ علی نے اپنائیت سے پوچھا۔

اس نے علی کو بغور دیکھا حیران رہ گئی وہ بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ سیاہ ہونٹ آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں تھے۔

”جہیں کیا ہو گیا ہے؟ خود کو آئینے میں دیکھا ہے۔ تمہیں کیا غم لگ گیا ہے؟“ عبیرہ نے پوچھا۔

”تمہارا غم لگ گیا ہے۔“ علی نے چھیڑا۔

”کیا مطلب؟“ وہ نامسمجھی سے بولی۔

”مطلب یہ کہ میری اتنی اچھی دوست جو مجھ سے چھڑ گئی ہے سچ اب تو کسی چیز میں مزہ نہیں رہا نہ کوئی لڑنے والا

ہے اور تمہارے ہاتھ کے کھانے بھی بڑے یاد آتے ہیں۔“ علی بولا۔

”میں کیسا پکاتی تھی“ وہ مٹھوک ہوئی۔

”بہت اچھا وہ تو میں تمہیں جان کر ستاتا تھا۔“ علی نے سچائی سے کہا۔

”بیٹا..... رہنے آئی ہونا؟“ مامی نے آس سے پوچھا۔

”نہیں میں رہنے نہیں آئی۔“ عبیرہ نے گھبرا کر کہا۔

”کیوں؟“ علی حیران ہوا، کیونکہ وہ شادی کے بعد ایک رات بھی نہیں رکی تھی۔ اس بار مامی کو یقین تھا وہ رہنے آئے گی۔

”شہر یار اکیلے رہ جائیں گے ان کا دل نہیں لگتا۔“ عبیرہ اگر یہ بات شرما کر کہتی تو بات سمجھ آتی مگر اس کے انداز پر علی چونکا تھا۔

”پہلے بھی تو اکیلا رہتا تھا۔ دنیا بھر کی لڑکیاں میکے میں رہتی ہیں“ مامی ناگواری سے بولیں۔

”تم خوش تو ہونا عبیرہ؟“ علی کی فکر مندی پر آنکھیں نم ہوئیں وہ مسکرائی۔

”میں بہت خوش ہوں۔“

”بیٹا پریشان مت ہونا۔ نئے گھر میں نئے لوگوں میں ایڈجسٹ ہونے میں وقت تو لگتا ہے۔“ مامی نے حوصلہ بڑھایا۔

شہر یار ایک مغرور انسان تھا۔ اس کا رویہ مامی لہو علی کے ساتھ بھی لیا دیا تھا۔ رات کو شہر یار نے اسے لینے آنا تھا۔ مامی نے عبیرہ سے پوچھ کر شہر یار کے پسند کے کھانے پکائے تھے۔ سارا دن وہ محنت کرتی رہیں مگر شہر یار نے مامی اور علی کے اصرار کے باوجود کھانا نہیں کھایا اور عبیرہ کو گھر لے آیا مامی اور علی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ دونوں رات بھر چپ رہے۔ عبیرہ کا دل بچھ گیا تھا آج شہر یار کے رویے پر۔ شہر یار کا خماز کیا اترا اس کا اصل چہرہ سامنے آ گیا۔

اس دن اتوار تھا شہر یار مودودی دیکھ رہا تھا عبیرہ کو مودودی زہر لگ رہی تھی وہ بچن میں آ کر چنے کا حلوہ بنانے لگی۔

”عبیرہ رات میں میرے تین دوست آ رہے ہیں تم اہتمام کر لو۔“ شہر یار کہہ کر چلا گیا۔

عبیرہ نے کھانا پکا شروع کیا۔ قورمہ پکا ہوا تھا کباب فریزر میں رکھے تھے بریانی اور کھیر پکانی تھی۔ کھانا تقریباً تیار ہی تھا جب وہ لوگ آئے۔

”عبیرہ اپنا حلیہ درست کر لو۔“ شہر یار بولا۔ عبیرہ نے فریش ہو کر لباس تبدیل کیا۔

”عبیرہ انہیں سلام کرو اور کھانا لگاؤ، ہم کھانا ساتھ مل کر کھائیں گے۔“

”شہر یار تمہارے دوستوں کے سامنے میں نہیں آ سکتی۔ ایرے غیرے مردوں کے سامنے آنا ہمارے گھر کا

ماحول نہیں ہے۔“ عبیرہ بولی۔

”میں بھول گیا تھا تنگ گلیوں میں رہنے والی لڑکیوں کی سوچ بھی تنگ ہوتی ہے۔“ شہر یار نے طنز کیا اور پھر رک

کر بولا۔

”مردوں کے ساتھ شادی سے پہلے ہوٹلوں میں گھومنے کا رواج ہے تمہارے گھر؟“ عبیرہ کے اندر چھن سے

کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ حکم صادر کر کے چلا گیا۔

”دس منٹ میں اندر آؤ اور کھانا لگاؤ۔“

”السلام علیکم۔“ اس نے اندر آ کر نزوس انداز میں کہا۔

”علیکم السلام۔“ تین مردوں نے بیک وقت کہا تھا۔

”بھابی تو تازہ گلاب جیسی ہیں۔“ ایک نے کہا تو سب نے قہقہہ لگایا۔

”لوکیوں کے معاملے میں تیری قسمت ہمیشہ شاندار رہی ہے۔“ دوسرے نے رشک سے کہا۔

”کھانا بہت اچھا پکا ہے اور پکانے والا اتنا حسین ہو تو ہم تو ہر ہفتے آئیں گے۔“ تیسرا اچھپھورے انداز میں

بولتا۔

ان کی نظریں ان کی باتیں غیرہ کی ہمت جواب دے رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ غم و غصے سے برا حال

تھا ان کے جانے کے بعد شہر یار غصے میں آیا۔

”غیرہ تمہیں ذرا بھی اپنی کیلش نہیں ہے میں تمہاری وجہ سے ان کے سامنے بے حد شرمندہ ہوا ہوں۔“ وہ

گر جا۔

”شرمندہ تو میں ہوئی ہوں ان کے سامنے آ کر کس قسم کے گھٹنیا اور ادبаш دوست ہیں۔“

”تمیز سے بات کرو۔“ شہر یار ناگواری سے بولا۔

”آئندہ وہ یہاں نہیں آئیں گے وہ اس قابل نہیں کہ انہیں گھر بلایا جائے۔ انہیں کھانا کھانا ہو تو ہوٹل میں

کھلا دینا۔“ غیرہ نے چپ کر کہا۔

”تم کون ہوتی ہو اعتراض کرنی والی، یہ میرا گھر ہے میں جس کو چاہوں گا لاؤں گا، اگر تمہیں اعتراض ہے تو تم

شوق سے جاسکتی ہو۔“ وہ تنفر سے بولا۔

غیرہ کو اپنی اوقات کا احساس ہونے لگا۔ وہ اس کے نزدیک اس کے دوستوں سے بھی کم حیثیت رکھتی تھی رنج

سے اسے بخار ہو گیا تھا شہر یار رات کو گھر نہیں آیا تھا وہ رات بھر بخار میں مبتلا رہی تھی۔ اس نے شہر یار کو فون کیا۔

”شہر یار مجھے بہت تیز بخار ہے۔“

”میں ڈاکٹر نہیں ہوں اور میں بڑی ہوں مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔“ اس نے بے اعتنائی سے کہہ کر فون رکھ دیا

تھا۔ دکھ سے وہ رو دی۔

تین دن کے بخار کے بعد آج وہ اٹھی تھی زرد کھلایا ہوا چہرہ بے رونق آنکھیں بے ترتیب بال اور میلا لباس علی

چونک گیا۔

”غیرہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”بخار تھا۔“ وہ اداسی سے بولی۔

”ڈاکٹر کو دکھایا میڈیسن لی تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟“ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”میں نے سوچا سوچی بخار ہے پریشان کیا کرنا۔“ غیرہ نے جواب دیا۔

”یہ حالت صرف بخار کی وجہ سے ہے؟“ علی کو خدشوں نے گھیر لیا۔

”مجھے بخار تھا میں اب ٹھیک ہوں اور کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔“ غیرہ نے تسلی دی بھر م تو رکھنا تھا کتنے

مان سے سب کا دل دکھا کر اس نے شہر یار سے شادی کی تھی۔

”میں گاجر کا حلوہ لایا تھا امی نے اسپیشل تمہارے لیے پکایا تھا، امی تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔ تم کال بھی ریسیو



”مامی کو میرا سلام کہنا میں بھی انہیں بہت یاد کرتی ہوں۔“ عبیرہ کی آواز بھرا گئی تھی۔  
”شہر یار تمہارا خیال تو رکھتا ہے؟“ علی نے اس کے زرد چہرے کو دیکھا۔

”بہت خیال رکھتے ہیں، میرا بخار نے حلیہ خراب کر دیا تم خواخوہ پریشان ہو رہے ہو۔“ عبیرہ نے زبردستی مسکرا کر  
کہا درنہ آنسو بہانے کا دل چاہ رہا تھا۔

”میں چلتا ہوں۔“ علی نے گھڑی دیکھی۔

”ایسے کیسے جاسکتے ہو، میں چائے بناتی ہوں۔“ عبیرہ انھی۔

”نہیں رہنے دو، بخار میں تم آرام کرو۔“ علی نے نرمی سے کہا۔

”لیکن پہلی بار میرے گھر آؤ ہو۔“ عبیرہ الجھی۔

”میں غیر نہیں ہوں، تمہارا ماموں زاد اور بچپن کا دوست ہوں، مجھ سے کم از کم تکلف تو نہیں برت سکتی۔“ علی  
دھیمے سے مسکرایا۔

”تکلف تو تم برت رہے ہو۔“ عبیرہ خفگی سے بولی۔

”پہلی بار آیا ہوں لیکن آخری بار نہیں۔“ علی کھڑا ہوا۔

”میں چلتا ہوں اپنا بہت خیال رکھنا اور کوئی پریشانی ہو مجھے بے فکر ہو کر بتانا۔“ علی نے سنجیدگی سے کہا۔

”اور کسے بتاؤں گی تم سے زیادہ مخلص کون ہوگا۔“ وہ بے ساختہ بولی تھی۔ وہ چپ رہا لیکن عبیرہ کی طرف سے  
مطمئن نہیں تھا۔

”کون آیا تھا؟“ علی کے جاتے ہی شہر یار گھر آ گیا تھا اس نے علی کو جاتے دیکھ لیا تھا۔

”علی آیا تھا۔ مامی نے گاجر کا حلوہ پکایا تھا، وہ دینے آیا تھا۔“ عبیرہ نے جواب دیا۔

”کھانا کیا پکایا ہے؟ اس نے پوچھا۔“ عبیرہ کو نجانے کیوں امید تھی کہ وہ اپنے برے رویے پر شرمندگی کا اظہار  
کرے گا اس سے معافی مانگے گا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

”میں نے آلو گوشت پکایا ہے۔“ عبیرہ نے اس کی طرف دیکھ کر ہا۔

”روٹی پکاؤ۔“ وہ کہہ کر واش روم میں چلا گیا۔

عبیرہ بے دلی سے روٹی پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہی تھی سلاڈ بنائی ٹیبل پر کھانا رکھا۔ شہر یار خاموشی سے کھانے

لگا۔

”چہرے پر بارہ کیوں بچ رہے ہیں؟“ اس نے طنز کیا۔

”مجھے بخار تھا۔ اب بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ عبیرہ کا اس کی بے حسی پر دل جل گیا تھا۔

”تم کچھ زیادہ ہی نازک نہیں بن رہی۔“ شہر یار ہنسا۔

”میرے سر میں درد ہے۔“ وہ اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

شہر یار ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر میں شہر یار کے موبائل پر کال آنے لگی۔ عبیرہ کو اجازت نہیں  
تھی اس کے موبائل کو ہاتھ لگانے کی مگر مسلسل بجتی ٹیل سے تنگ آ کر اس نے ریسیو کر لی تھی۔

”ہیلو!“ غیرہ بولی۔

”آپ کون ہو؟“ دوسری طرف غصے سے کسی عورت نے پوچھا۔

”میں غیرہ ہوں، شہر یار کی بیوی۔“ غیرہ نے بتایا۔

”یہ کیا بکواس ہے۔“ وہ چلائی۔

”آپ تمیز سے بات کریں آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟“ غیرہ غصے سے بولی۔

”میں سیکندہ بات کر رہی ہو، شہر یار کی بیوی ہوں، میرے دو بچے ہیں میں اس کی چچا زاد ہوں۔“ وہ بدتمیزی سے

بولی احساسِ ذلت سے غیرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”میں نے نکاح کیا ہے میں اس کی بیوی ہوں۔ لیکن آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔“ غیرہ کو اس عورت کی بات پر

اعتبار نہیں تھا۔

”جھوٹ تو تم بول رہی ہو۔ تم جیسی لڑکیوں کو میں جانتی ہوں۔“ سیکندہ نے زہر خندانہ انداز میں کہا۔

غیرہ کا دل جاہا اس کا منہ نوج لے جو مسلسل جھوٹ بول رہی تھی اور اس کی توہین کر رہی تھی۔

”آپ کا فون ہے۔“ غیرہ نے کہا۔

”تم نے میری اجازت کے بغیر کال ریسیو کیوں کی۔“ وہ غصے سے بولا۔

”ہیلو سیکندہ! وہ بے حد مضاس سے بولا دوسری طرف وہ غصے میں نجانے کیا بول رہی تھی۔ شہر یار کا چہرہ پھیکا پڑ گیا

تھا وہ بے حد گھبرا گیا تھا۔“

”سیکندہ میری جان صرف تم میری بیوی ہو۔ جس نے فون اٹھایا وہ اکرم کی گرل فرینڈ تھی۔ یقین نہ آئے اس

سے پوچھ لو۔ شہر کی لڑکیاں بے حیا ہوتی ہیں ایسے ہی مذاق کرتی ہیں۔“ شہر یار منت بھرے انداز میں بول رہا تھا۔ دھڑام

سے اسے لگا چھت اس پر گر گئی۔ غیرہ کی ٹانگیں لرزیں۔ وہ چکر لائی اور نیچے گر گئی۔ وہ بے مول ہو گئی تھی اس کا مان، فخر سب

خاک میں مل گیا تھا وہ گنگ سی بے یقینی سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جسے اس نے دل میں بہت اونچا مقام دیا تھا اس سے بے

حساب محبت کی تھی اس کے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

”سوری غیرہ! سیکندہ سے میری شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے وہ بد صورت، بد مزاج عورت ہے لیکن

اس کی وجہ سے سب عیش ممکن ہیں میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔“ اس نے بہت محبت سے کہا۔

غیرہ خوب صورت چہرے والے شہر یار کو بغور دیکھ رہی تھی جس کا اصل چہرہ بہت بد صورت تھا اسے گھن آ رہی

تھی بے حد نفرت ہو رہی تھی۔

”تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ میرا اعتبار کر چکی کر چکی ہو گیا۔“ غیرہ زخمی لہجے میں بولی۔

”میں تمہیں دیکھتے ہی دیوانہ ہو گیا تھا بس تمہیں پانا چاہتا تھا۔ پلیز ناراض مت ہو..... شہر یار صرف تمہارا

ہے۔“ وہ بہت لگاؤ سے بول رہا تھا۔

”تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، میں تمہارے ساتھ ایک پل بھی نہیں گزار سکتی، مجھے تم سے نفرت ہے، تم گھٹیا انسان

ہو، مجھے بیوقوف بنایا ہے۔“ وہ شدتِ غم سے چلا رہی تھی پہلے تو شہر یار نے اسے محبت سے بہلانا چاہا لیکن جب وہ کچھ سننے

پر آمادہ نظر نہیں آئی تو اسے ڈرانے دھمکانے لگا، اس کا خیال تھا غیرہ آسان شوں کی عادی ہو گئی ہے چار دن رو دھو کر مان

جائے گی مگر غیرہ دوسرے دن ہی گھر چھوڑ گئی۔

مامی اور علی نے اسے بہت حوصلہ دیا۔ کسی نے بھی اسے نہیں بتایا کہ یہ اس کی من مانی کا نتیجہ ہے ان کی محبت اور ظرف نے اسے بہت شرمندہ کر دیا تھا۔ اس نے خلع کا نوٹس بھجوا دیا تھا شہر یار نے بھی جلدی طلاق دے کر اسے فارغ کر دیا کیونکہ معاشرے میں غیرہ جیسی ناداں لڑکیوں کی کمی نہیں تھی جن کا آئیڈیل ہی خوب صورت اور دولت مند مرد ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ کی تمنا نہیں ہوتی باقی اہم چیزیں ان کے لیے ثانوی ہوتی ہیں شہر یار ایک نئی غیرہ کی تلاش میں تھا اور اسے یقین تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو جائے گا۔

وہ بہت رنجیدہ رہتی تھی۔ اسے شہر یار کی اصلیت کا نہیں، اپنی حماقت کا دکھ تھا۔ وہ راتوں کو جاگتی تھی بے سکون رہتی تھی حالانکہ اب اس کی عدت بھی ختم ہو چکی تھی اسے یاد آتا تھا علی کو ٹھکرانا، مامی سے بدتمیزی کرنا اور شہر یار کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے محسنوں کے دل دکھائے تھے۔ اسے اپنی خود غرضی پر حیرت ہوتی تھی کتنا مان تھا اسے اپنے پرستار شہر یار کی محبت کا، کتنے غرور سے وہ مامی اور علی کے آگے ڈٹ گئی تھی۔ وہ اتنی اونچی ہواؤں میں اڑ رہی تھی کہ پر کھنکے کے بعد خود سے بھی نظریں نہیں ملا پار رہی تھی۔ شرمندگی ہی شرمندگی تھی وہ تو کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتی تھی، یوں منہ کے بل گری تھی کہ سارا اعتماد جو اسے اپنے ذات پر تھا غائب ہو چکا تھا۔

”گھر میں خاموشی رہتی ہے میرا تو دل گھبراتا ہے۔“ مامی نے سبزی کا ٹیٹی غیرہ سے کہا۔

”بیٹا جو ہوا نصیب کا لکھا سمجھ کر بھول جاؤ۔“ انہوں نے کئی بار کی کہی بات کو دہرایا۔

”میں بھول گئی ہوں۔“ غیرہ مسکرائی۔

”میں چاہتی ہوں۔ علی کی شادی کر دوں، گھر میں رونق ہو جائے، اس کے بچے دیکھوں۔“ وہ حسرت سے

بولیں۔

”مامی بالکل ٹھیک کہا آپ نے، کتنا مزہ آئے گا۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

”مامی ہم جلدی سے اچھی سی لڑکی ڈھونڈیں گے۔“

”بیٹا وہ لڑکی دیکھ چکا ہے وہ صرف اسی سے شادی کرے گا۔“

”مامی ہم اسی سے کریں گے شادی جو علی کو پسند ہوگی اور اسے کون ناپسند کر سکتی ہے۔“ غیرہ خوشی سے بولی۔

”غیرہ اب تمہاری ذمہ داری ہے اس لڑکی کو منانا۔ میں اپنے بیٹے کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔“ مامی نے سنجیدگی

سے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں۔“ غیرہ نے یقین سے کہا۔

علی اس وقت چھت پر ٹہل رہا تھا۔ غیرہ دے قدموں سے آئی۔

”محترم عشق میں ستارے گننے لگے۔“ اس نے چھیڑا۔

”غیرہ۔“ وہ حیران رہ گیا۔

”جلدی سے اس لڑکی کا نام بتاؤ،“ وہ شوخ ہوئی۔

”غیرہ نام ہے۔“ وہ تیزی سے بولا۔

”کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوئی۔

”غیرہ میں صرف اور صرف تم سے نجانے کب سے محبت کرتا آ رہا ہوں۔“ علی جذبے سے بولا۔

”علی یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟“ علی کی آنکھوں سے سچائی جھلک رہی تھی۔

”علی تمہیں بہت اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔“ غیرہ نے نگاہیں چرائیں۔

”میرے نزدیک سب سے اچھی لڑکی تم ہو۔“

”میں طلاق یافتہ ہوں، دنیا کیا کہے گی؟“ وہ خوف زدہ ہوئی۔

”دنیا کو تمہارے لیے چھوڑ سکتا ہوں، تمہارے لیے دنیا کو نہیں۔“ وہ مضبوط انداز میں بولا۔ وہ اس کی محبت کی

شدت پر دل ہی دل میں رو دی۔

”میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔“

”میں کل بھی تمہاری بہت عزت کرتا تھا اور آج بھی اتنا ہی احترام کرتا ہوں۔ البتہ میں شاید تمہارے قابل نہیں

ہوں۔“ اس نے شرارت سے غیرہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

”میں بہت پچھتاتی ہوں۔ میں بہت نادان تھی۔ میں خود کو تمہارے آگے بہت چھوٹا محسوس کرتی ہوں۔“ اس

نے افسردگی سے کہا۔

”میں بڑا پن نہیں دکھا رہا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”علی فضول خدمت کرو۔“

”خدمت کر رہی ہو، دوسری مرتبہ میری محبت ٹھکرا کر اور ہاں اب اگر تم نہ مانی تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے ناراض

ہو کر دور چلا جاؤں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔

غیرہ تڑپ کر رہ گئی۔ وہ واحد اس کا دوست، ہمدرد، خیر خواہ تھا۔ وہ اس سے دور نہیں رہ سکتی تھی۔

”علی میں نے تمہیں پہچاننے میں دیر کر دی۔“ اس نے ملال سے کہا۔

”نہیں ابھی وقت ہے۔ اور آج اگر فیصلہ نہ کر پائی تو واقعی دیر ہو جائے گی۔“

علی نے بہت مان سے ہاتھ آگے پھیلایا۔ غیرہ نے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

علی کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

غیرہ خوش نصیب لڑکی تھی۔ اسے علی جیسا ہم سفر مل گیا تھا ورنہ بہت سی لڑکیوں کو ان کی نادانی کی سزا ساری زندگی

بھگتنی پڑتی ہے۔

## الوداع

موبائل فون ہاتھ میں پکڑے وہ کافی بے چینی سے کالج کے گیٹ کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ صبح سے اچھی خاصی تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ تیز چمکتی دھوپ بے حد نوکیلی اور بدن کو چھیدتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ گرمی سے علی کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ گرمی کا اثر اب اس کے دماغ پر بھی ہو رہا تھا اور اس کی بے چینی اب غصے اور جھنجھلاہٹ میں بدلنے لگی تھی۔ ستم یہ کہ کالج کے پاس کوئی چھپر بھی نہیں تھا، جس کے نیچے کھڑے ہو کر وہ انتظار کی یہ اذیت ناک گھڑیاں گزار سکتا۔

”اللہ تمہیں سبھے علیہ! تم نے تو آج میرا ہر اسحر کر دیا۔“ وہ دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے تپا جا رہا تھا۔ تیار ہو کر علیہ نے خود کو آخری بار آئینے میں دیکھا۔ اپ اسٹک کا آخری بچ دیا اور مطمئن ہو کر بیک اٹھایا۔ علیہ کے چہرے کے خدو خال کو میک اپ نے اجاگر کر کے دلکش بنا دیا تھا۔ پر پل شرٹ اور سی گرین چوڑی دار پانچامے میں وہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر باہر آئی تو صالحہ خاتون سے سامنا ہو گیا۔

صالحہ خاتون کی گہری نگاہوں نے سر تا پا علیہ کا جائزہ لیا اور سامنے وال کلاک کی سوئیاں دیکھیں۔

”دوپہر کے بارہ بجے کہاں جا رہی ہو۔“ انہوں نے ناگواری سے کہا۔

”امی کالج جا رہی ہوں“ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”اس ٹائم اور وہ بھی اتنی جگہ سنو کر۔“ انہیں غصہ آ گیا۔

”امی آپ کو بتایا تو تھا کہ ایگزام قریب ہیں اس وجہ سے کلاسز آف ہیں۔ میں ایڈمٹ کارڈ لینے جا رہی ہوں“ علیہ نے اطمینان سے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے۔“ خلاف توقع وہ جلدی مان گئیں۔

اس نے شکر ادا کیا اور جلدی سے اپنا دوپٹا سیٹ کیا۔

”جلدی گھر آ جانا۔ میں نے شام کی چائے پر کچھ لوگوں کو انوائٹ کیا ہے۔“ صالحہ خاتون سنجیدگی سے بولیں۔

”خیریت؟ کن لوگوں کو انوائٹ کیا ہے۔“ علیہ نے پوچھا۔

”میری بچپن کی دوست کلثوم کا بیٹا ہے، کلثوم اور اس کے میاں کا تو تمہیں پتا ہے انتقال ہو گیا۔ فراز اکلوتا بیٹا ہے

اور اس سے چھوٹی ذہنب اور سامعہ ہیں فراز بہت سمجھدار، شریف النفس انسان ہیں۔ ان کا اپنا بزنس ہے۔“ صالحہ خاتون

نے تفصیل بتائی علیہ نے الجھن بھرے انداز میں انہیں دیکھا وہ خاصی سنجیدہ تھیں اور بہت مطمئن لگ رہی تھیں۔

”تو آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟“ علیہ نے بے زاری سے پوچھا۔

”تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں، کیوں کہ وہ تمہیں دیکھنے آرہے ہیں۔“

”کیوں، میں کوئی عجوبہ ہوں جسے وہ دیکھنے آرہے ہیں؟“

علیہ کے حلق تک کرواہٹ کھلی ہوئی تھی۔

”علیہ! تم بچی نہیں ہو جوتہیں ان چیزوں کی سمجھ نہیں ہے۔“ انہوں نے سخت ناراض نظروں سے اسے دیکھا۔

”امی! میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، مجھے ابھی ماسٹرز کرنا ہے۔“ علیہ نے دھیمے لہجے سے کہا۔

”یہ فیصلہ میں کروں گی۔“ انہوں نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”میں چلتی ہوں۔“ علیہ نے مزید بے کار بحث میں الجھنا وقت کا ضیاع سمجھا۔

”جلدی آ جانا۔“ صالحہ خاتون بولیں۔

”جی امی۔ میں تین بجے تک آ جاؤں گی۔“ علیہ بولی۔

”اللہ حافظ۔“

”خدا حافظ۔“ وہ تیزی سے گھر سے باہر آئی۔

بس میں بہت ناظم لگ جائے گا۔ علیہ نے سوچا اور اسٹاپ تک تیز تیز چلنے لگی۔ اس نے اپنی رسٹ وایج پر نظر

ڈالی۔ ساڑھے بارہ ہو رہے تھے آج کا دن بے حد گرم ہے، سورج کی حدت سے بدن پگھلا رہا ہے۔ علی اس گرمی میں کب

سے میری راہ تک رہا ہوگا۔ یہ خیال علیہ کو پریشان کر گیا۔ اتنے میں وہ بس اسٹاپ پہ پہنچ گئی۔ لیکن دور دور تک بس کا نام و

نشان نہیں تھا۔ مزید دس منٹ مطلوبہ بس کے انتظار میں لگ گئے، لیکن بس نہیں آئی۔ اسے علی کی فکر ستا رہی تھی۔ علیہ نے

بیک کی زپ کھولی۔ موبائل فون نکالا اور علی کا نمبر ملایا، جسے فوراً ہی ریسیو کیا گیا۔

”علیہ کہاں ہو تم؟“ علی کا سوال فوری تھا۔

”میں بس اسٹاپ پہ ہوں۔ مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی، بس نہیں آرہی۔“ علیہ بولی۔

”تم! رکشا لے لو۔“ علی نے پسینا خشک کیا۔

”اوکے.....“ علیہ نے کال کاٹی اور رکشے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”بس! رکشا آتا ہی ہوگا۔“ علیہ نے دل کی جیسے ڈھارس بندھائی۔ سامنے سے واقعی رکشا آ رہا تھا۔ علیہ نے

سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

دس منٹ میں وہ علی کے سامنے تھی۔

”ہیلو! علیہ مسکرائی۔ علی جواباً خاموش رہا۔ علیہ پھر مسکرائی۔“

دوبار مسکرا کر دیکھنے کے بعد بھی اسے علی کی طرف سے کوئی رسپانس نہ ملا۔

”کیسے ہو؟“ علیہ نے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ بے رخی سے کہتے ہوئے اس نے پیشانی سے پسینا پونچھا اور کیفے ٹیریا کی طرف خاموشی سے

لے لگا۔ علیہ اس کے ساتھ تھی۔ دونوں کیفے میں آ کے بیٹھ گئے۔ علی نے کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔

”میں نے تمہارے لیے دو بہت خوب صورت شرٹس لی ہیں۔“

علیہ نے اشتیاق سے بتایا۔

”اس کی کیا ضرورت تھی؟“

”ضرورت تھی۔ تم اتنے اچھے ہو۔ مجھے تمہیں ایسے پرانے کپڑوں میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔“ علیہ نے سنجیدگی

سے کہا۔

”کیا فائدہ، سارا دن دھوپ گرمی میں پیدل بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کبھی کبھی کہیں جانا پڑتا ہے۔ نئی شرٹ کا

نثر ہو جائے گا۔“

”چھوڑ دو دھوپ گرمی میں اتنی دور پیدل جانا۔“

”چھوڑ دوں گا تو پیسے کہاں سے ملیں گے؟“

”مجھے صرف تمہاری فکر ہے۔“

”کب سے؟“

”تب سے جب سے تم نے میرے دل میں بسیرا کیا ہے۔“

علی بے ساختہ مسکرا دیا۔ پل میں موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر آئی تو امی دو خواتین سے محو گفتگو تھیں۔

”ہمارے زمانے اچھے تھے۔ لڑکیوں کے رشتوں کے لیے خوار نہیں ہونا پڑتا تھا، زیادہ تر تورشتے داروں میں ہی

پ جاتی تھیں۔ نہ ہی آج کل کی طرح کسی میں خڑہ وغرہ تھا۔ بس بزرگ رشتے طے کر دیتے۔ مقررہ وقت پر لڑکا سہرا

ہا لیتا، لڑکی کو ٹانگا لگا سٹائن کا لال جوڑا پہن لیتی۔ گھر میں ہی دری بچھ جاتی۔ ایک دیگ مرغے کی ایک دیگ زردے کی

خوشی خوشی کھا لیتے اور شادی منٹ جاتی۔“

صالحہ خاتون اپنا وقت یاد کر رہی تھیں۔

علیہ فریٹش ہو کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ سلام دعا اور رسی سی باتوں میں علیہ نے اپنے لیے ان کی نگاہوں میں

پسندیدگی دیکھی۔ علیہ جلد ہی کام کا بہانہ بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

”آئی! ہمیں علیہ بہت پسند آئی ہے۔“ دونوں ایک ساتھ گویا ہوئی تھیں۔

”تمہاری محبت ہے۔“ صالحہ خاتون مسکرائیں۔

”آئی! آپ کل شام کی چائے ہمارے ساتھ بیٹیں گی۔“

زہنب نے دعوت دی۔

”ضرور۔“ صالحہ ان کی جلد بازی پہ مسکرائیں۔

☆☆☆

علیہ اور علی کی محبت کا ننھا پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اب دل کی عجب حالت تھی۔ ہر پل، ہر

وقت علی کا تصور علیہ کی نگاہوں میں جگنو کی طرح دمکتا رہا۔ رات ہوتی تو وہ تصور کی خوب صورت دنیا آباد کر لیتی۔ ایسے میں جب وہ فون پہ علی کی دلکش باتیں سنتی تو ارد گرد سے بے نیاز ہو جاتی۔ زندگی ان دنوں بہت خوب صورت تھی۔ مسرتوں سے لبریز، موجوں کی طرح بہتی ہوئی، چاند کی چاندنی کی طرح رقصاں۔

☆☆☆

فراز کا لیدر کا برنس تھا، اپنے حلقہ احباب میں خاصا ممتاز تھا۔ فراز زہنب اور رانیہ بڑے پرتپاک انداز میں صالحہ خاتون سے ملے۔ صالحہ خاتون بھی از حد شفقت و محبت سے ملیں۔ یہ ان کی عزیز ترین دوست مرحومہ کلثوم کے بچے تھے۔ چائے کے دوران ان کے درمیان سرسری باتیں ہوئیں۔ فراز انہیں بہت پسند آیا۔ وہ بہت سمجھدار، سلجھا ہوا، کم گو، بااخلاق، شریف النفس لڑکا تھا جبکہ علیہ نادان، جذباتی، باتونی، لا پرواہ۔

یہ علیہ کو سنبھال لے گا۔ صالحہ خاتون نے دونوں کا موازنہ کیا اور مطمئن ہو گئیں۔  
آج صالحہ خاتون فراز کے گھر آئی تھیں۔

فراز نے اپنے کاروبار، خاندان، حسب و نسب کے متعلق مکمل معلومات بیان کیں جس سے صالحہ خاتون کے اطمینان میں اضافہ ہوا۔

فراز اور زہنب نے انہیں زبردستی کھانے کے لیے روک لیا۔ صالحہ خاتون نے سہولت سے انکار کرنا چاہا لیکن انہوں نے ایک نہنی۔ کھانا بے حد پر تکلف تھا اور خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔

”آئی! آپ بھائی سے مطمئن ہیں۔“ زہنب نے پوچھا  
”بیٹا! مجھے تم تینوں بہن بھائی بہت اپنے سے لگے ہو، میں تم لوگوں سے بہت مطمئن ہوں۔“ صالحہ خاتون نے فراز کی جانب مشفقانہ نگاہوں سے دیکھا۔

”آئی! میں پھر بات کچی سمجھوں۔“

زہنب نے خوشی سے کھل کر فوراً پوچھا۔

”ان شاء اللہ“ صالحہ خاتون طمانیت سے مسکرائیں۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔

”آئی! آپ واپس کیسے جائیں گی؟“ زہنب نے پوچھا۔

”بیٹا میں رکشا لے لوں گی۔“

صالحہ خاتون نے جواب دیا۔

”نہیں! میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ فراز بولا۔

”بیٹا! میں عادی ہوں، مجھے مشکل نہیں ہوگی۔“ صالحہ خاتون مسکرائیں لیکن فراز نے ان کی ایک نہیں سنی اور خود ڈراپ کر کے آیا۔

☆☆☆

علیہ گھر میں اکیلی تھی۔ اس کی والدہ صالحہ خاتون بیوہ تھیں۔ بے حد اصول پسند اور سخت گیر خاتون تھیں۔ علیہ انہیں بہت عزیز تھی لیکن علیہ کو سن مانی کی اجازت کبھی نہیں دی تھی۔ علیہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی پل دروازے پر



ستک ہوئی، وہ تیز قدموں سے دروازے کے پاس آئی۔

”دروازہ کھولو، میں ہوں۔“ صالحہ خاتون کی آواز پر اس نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔

”کیا کر رہی تھیں؟“ صالحہ خاتون نے پیار سے پوچھا۔

”آپ کا انتظار“ علیہ نے جواب دیا۔

”میں آج فراز سے مل کر آئی ہوں۔ مجھے وہ بہت پسند آیا ہے۔“ صالحہ خاتون خوشی سے بولیں۔

”اچھا! علیہ نے دلچسپی نہیں لی۔

”علیہ! میں فراز سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے انہیں ہاں کر دی ہے۔ رشتہ پکا کر دیا ہے۔“

الفاظ تھے یا ڈانٹا مائیٹ، علیہ کو لگا ہر چیز کے جیسے پر نچے اڑ گئے ہوں۔

”امی! آپ انہیں انکار کر دیں۔“ کچھ دیر بعد وہ بولی۔

”علیہ! فراز بہت اچھا انسان ہے۔ ویل آف ہے۔ کیئرنگ ہے، لونگ ہے۔“

”لیکن میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔“ علیہ نے کہا۔

”امی! میں..... میں علی سے محبت کرتی ہوں، مجھے صرف اس سے شادی کرنی ہے۔“ علیہ نے صاف گوئی سے کہا۔

”یہ علی کون ہے؟“ صالحہ خاتون نے حیرانگی سے پوچھا۔

”میری دوست ارمین کا بھائی ہے۔“ علیہ نے بتایا۔

”کیا کرتا ہے؟“ صالحہ خاتون نے نرمی سے پوچھا۔

”فی الحال جاب نہیں ہے، ٹیوشن پڑھاتا ہے۔“

”اس سے کہو کل مجھ سے یہاں آ کر ملے۔“ صالحہ خاتون نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”شکریہ امی“ علیہ مسکرائی۔

☆☆☆

دوسرے دن دروازہ علیہ نے ہی کھولا تھا سامنے علی کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

”کیسا لگ رہا ہوں؟“ علی کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ بلیک ٹوپس میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

”بہت شاندار“ علیہ نے جواب دیا۔

علیہ نے علی کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور امی کے بیڈروم میں آئی۔ جہاں وہ عصر کی نماز کے بعد تسبیح میں مشغول تھیں۔

”امی! علی آ گیا ہے۔“ علیہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”تم یہیں رہو۔“ صالحہ خاتون کے کہنے پر وہ منہ بسور کے رہ گئی۔

سلام دعا رکھی تعارف کے بعد صالحہ خاتون اصل موضوع کی طرف آئیں۔

”بیٹا! میں تمہیں چھ مہینے کا وقت دیتی ہوں۔ اس دوران جاب مل جائے تو آ جانا ورنہ علیہ کے راستے سے ہمیشہ

لیے ہٹ جانا“

”آئی! میں جلد ہی جاب ڈھونڈ لوں گا اور یہاں دوبارہ آؤں گا۔“ علی نے پر عزم لہجے میں کہا۔

”ضرور۔“ صالحہ خاتون مسکرائیں۔

”میں چلتا ہوں۔“ علی کو محسوس ہوا کہ یہاں رکنا فضول ہے۔

”چائے پی کے جانا۔“ صالحہ خاتون نے رسماً کہا۔

”نہیں! شکر یہ پھر کبھی صبح۔“ علی نے جواب دیا۔

”ای! آپ کو علی کیسا لگا؟“ علی کے جاتے ہی علیہ نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

”مجھے پسند نہیں آیا۔“ صالحہ خاتون ناگواری سے بولیں۔

”لیکن کیوں؟“ علیہ حیران ہوئی۔

”کیوں کہ اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں جس کی بنا پر اسے پسند کیا جاسکے۔“ صالحہ خاتون نے طنز کیا۔

آنے والے وقت میں علی نے جاب کے حصول کے لیے بہت پاؤں مارے لیکن سب بے سود رہا۔ اس نے بہت

سی جگہ انٹرویو دیے لیکن کہیں سے بلاوا نہیں آیا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ علی کی تشویش میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

”بھائی! علیہ بہت اچھی ہے۔“ زینب بولی۔

”زینب! تمہیں میری بات یاد ہے نا؟ میرے لیے کوئی حسین، کم عمر لڑکی نہیں بلکہ میری ہم عمر، ہم مزاج لڑکی

ڈھونڈنا۔ میں کوئی نوجوان لڑکا نہیں ہوں۔ سینتیس برس کا پیچور مرد ہوں۔“ فراز نے حقیقت پسندی سے کہا۔

”بھائی! وہ بہت خوبصورت ہے۔“ زینب سنی ان سنی کر گئی۔

”زینب! ارشے صورت سے نہیں سیرت سے نبھائے جاتے ہیں۔“ فراز تنجیدگی سے بولا۔

”بھائی! اس کی صورت اور سیرت دونوں پیاری ہے۔“

زینب نے یقین سے کہا۔

”دیکھیں گے۔“ فراز نے شرارت سے جواب دیا۔

☆☆☆

موبائل کی بیل پر علیہ کمرے میں آئی، اسکرین پر علی کا نام دیکھ کر خوشی سے کال ریسیو کی۔

”علیہ! میں بہت پریشان ہوں، جاب نہیں مل رہی ہے۔“ علی نے تھکے ہارے انداز میں کہا۔

”علی! ہمت مت ہارنا۔“ علیہ نے بے فکری سے کہا۔

”جانتا ہوں۔ اگر ہمت ہار گیا تو تمہیں کھودوں گا۔“ علی نے جواب دیا۔

علی بہت پریشان تھا علیہ کو کھودینے کے ڈر سے، اس کے دن رات اسی خوف میں گزر رہے تھے۔

”میں بہت پریشان ہوں۔ آج چھ ماہ کی مدت پوری ہوگئی ہے۔“ علی ادا اس تھا۔

”علی! اگر تمہیں جاب نہیں مل رہی تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔“ علیہ بولی۔

علی خاموش رہا۔

”علی! تم پریشان مت ہو۔ مجھے صرف تمہارا ساتھ اور محبت چاہیے۔“ علیہ نے تسلی دی۔

”علیہ! تمہاری امی مجھے بہت سخت مزاج کی خاتون لگتی ہیں۔“ علی نے قیاس آرائی کی۔

”وہ اپنے اصولوں میں اٹل ہیں۔“ علیہ نے تصدیق کی۔

”کہیں وہ انکار نہ کر دیں۔“ علی نے خدشہ ظاہر کیا۔

”میں انہیں منالوں گی۔“ علیہ پر عزم ہو کر بولی۔

”اللہ کرے وہ مان جائیں۔“ علی بولا۔

”میں بات کرتی ہوں،“ علیہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

☆☆☆

صالحہ خاتون کے کمرے پر دروازے تک پہنچ کر وہ رک گئی تھی۔ وہ جائے نماز پہ تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔ علیہ کے قدموں کی آواز پہ انہوں نے مڑ کے دیکھا۔

”تم ابھی تک سوئی نہیں؟“ صالحہ خاتون نے حیرت سے پہلے علیہ کو دیکھا اور پھر گھڑی کو جہاں رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

”امی! علی کو جاب نہیں ملی۔“ علیہ نے اطلاع دی۔

”میں! جانتی تھی۔ اسے جاب نہیں ملے گی۔“ صالحہ خاتون اطمینان سے بولیں۔

”امی! کچھ اور وقت دے دیں۔ جاب مل جائے گی۔“ علیہ بولی۔

”اسے کبھی نہیں ملے گی، کیوں کہ وہ جاب کرنا ہی نہیں چاہتا۔“ صالحہ خاتون نے طنز بھرے انداز میں کہا۔

”امی! علی نے بہت کوشش کی لیکن اچھی جاب کا حصول آسان نہیں ہے۔“ علیہ ناگواری سے بولی۔

”علی! کاپچھا چھوڑ دو۔ میں زینب اور دانیہ کو بلا کے اگلے مہینے شادی کی تاریخ طے کرنے کا سوچ رہی ہوں۔“

”امی! میں اس کے بنا خوش نہیں رہ سکتی۔“ علیہ پریشان ہوئی۔

”اس کے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوگا۔“ صالحہ خاتون نے کہا۔

”اس کے بنا زندگی، زندگی نہیں ہوگی۔“ علیہ دوبارہ بولی۔

”کیا ہے اس کے پاس؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اس کی محبت کے آگے سب کچھ بے معنی ہے۔“ بے نیازی سے جواب دیا گیا۔

”روپیہ پیسہ کبھی میری ترجیح نہیں رہا۔“ علیہ بولی۔

”علیہ! میں نے صرف فراز کا پیسہ ہی نہیں دیکھا ہے۔ وہ ایک بہت اچھا انسان بھی ہے۔ تمہارا بہت خیال

رکھے گا۔“ صالحہ خاتون نرمی سے بولیں۔

”امی! مجھے علی سے پیار ہے۔ میری خاطر مان جائیں۔“

علیہ ان کے قدموں میں بیٹھ کے منت کرنے لگی۔

”علیہ تم مجھے مایوس کر رہی ہو۔ زندگی کے معاملے میں تمہاری سوچ بہت پکا نہ ہے۔“ وہ افسردہ ہوئیں۔

”امی! وہ رو دی۔“

”علی! کو انکار کر دو۔“ صالحہ نے روتی علیہ سے دل کڑا کے کہا۔

”امی! میری بات سنیں۔“ علیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

”مجھے کچھ نہیں سننا“ وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

علینہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی جو ہمیشہ فیصلہ سنا کر مہر ثبت کرتی تھیں۔

☆☆☆

آج وہ دونوں پھر آمنے سامنے بیٹھے تھے لیکن یہ ملاقات پچھلی تمام ملاقاتوں سے مختلف تھی۔ دونوں اداس تھے۔  
”علی! میں مجبور ہوں، امی نہیں مانیں۔“ علینہ بمشکل بولی۔

”علینہ! میں منالوں کا، تم بھی کوشش کرو۔ اتنی جلدی ہمت ہارو۔ جاب جلد ہی مل جائے گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ علی جذباتی انداز میں بولا۔

”کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ تم مجھے بھول جاؤ۔“ علینہ بولی۔

”یہ اتنا آسان ہے؟“ علی نے طنز کیا۔

”فراز کے پروپوزل نے سب کچھ بگاڑ دیا۔“ علینہ مایوس بولی۔

”علینہ! یہ احساس ہی جان لیوا ہے کہ میں تمہیں کھودوں گا۔“

علی نے تھکے ہارے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ اس کی نظریں دور خلا میں تھیں۔

”آئی ایم ریلی سوری..... علی میں۔“ علینہ نے کچھ کہنا چاہا جس سے علی کا دکھ کم ہو جائے لیکن اسے الفاظ نہیں ملے۔

”اٹس آل رائٹ۔ مجھے تمہاری سوری کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ صدمے سے چلایا۔

”علی! میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔“ علینہ تڑپتی۔

”مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں تم جاسکتی ہو۔ علی نے سرد مہری سے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا اس کی نگاہوں سے وچھل ہو گیا۔“

☆☆☆

شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی اگلے چند دن تیزی کے ساتھ گزرے۔

اپنے سامنے پھیلے قیمتی زرق برق کپڑے اسے سخت تکلیف دے رہے تھے جوں جوں شادی کے دن قریب

آ رہے تھے اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ محض تین دن بعد اس کی شادی تھی اس شخص سے جس سے اسے رتی بھر لگاؤ

نہیں تھا۔ اس کی وحشت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

”علینہ! صالحہ خاتون کی آواز پہ اس نے آنکھیں کھول دیں۔“

”بیٹا! یہ دودھ پی لو، تم نے کچھ کھایا بھی نہیں، کچھ ہی دنوں میں کتنی کمزور ہو گئی ہو۔“ علینہ کا مضطرب چہرہ انہیں

دل کر گیا۔

”میری بچی میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔“

”وہ لوگ تمہیں بہت محبت سے، بڑی چاہ سے لے جا رہے ہیں، تم بھی میری لاج رکھنا۔ سب سے بھا کر رہنا۔“

اس نے صالحہ کے سینے میں سر چھپالیا۔ روتے روتے ہنسی بندھ گئی۔ صالحہ خاتون بھی رو دیں۔

☆☆☆

وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں ہاتھوں پر نظریں جمائے اپنی زندگی میں آنے والی اس اچانک تبدیلی کو سوچ

رہی تھی۔ اس کی نظریں پھولوں سے سج کرے پر دوڑنے لگیں۔ اسی وقت دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔  
 ”السلام علیکم!“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس نے گھبرا کر سر اٹھا کر دیکھا تو ایک درمیانی عمر کا مرد جو عامی شکل و صورت کا تھا، بہت اشتیاق سے پلکیں جھپکائے بغراسے دیکھ رہا تھا۔  
 علیہ نے مایوسی اور افسردگی سے سر جھکا لیا۔

”یہ آپ کے لیے۔“ فراز نے ایک مٹلی سرخ ڈیبا کھول کر اس کے آگے کر دی۔  
 ”میں پہنا دوں؟“

ڈیبا سے خوب صورت نیکلس جھانک رہا تھا۔

”میں پہن لوں گی۔“ علیہ بے رخی سے بولی۔

”مجھے چھینج کرنا ہے“ علیہ بیڈ سے اترنے لگی۔

”کر لیجئے گا، ابھی تھوڑی دیر بات کرتے ہیں۔“ فراز نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھانا چاہا لیکن وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

فراز کی نگاہوں میں الجھن نمایاں تھی۔

”یہ ڈریسنگ روم ہے، وارڈروپ میں آپ کے کپڑے ہینگ ہیں۔ آپ چھینچ کر لیں۔“ جان بوجھ کر وہ دیر سے کپڑے بدل کے آئی۔ وہ بیڈ پر اس کا منتظر تھا۔ علیہ مرے مرے قدموں سے بیڈ پر آئی۔

☆☆☆

صبح آکھ کھلتے ہی ان کی نظریں اجنبی دیواروں سے ٹکرائیں۔

وہ کچھ لمحے خالی الذہن کیفیت کے ساتھ جھٹ کوکتی رہی۔ جسم بری طرح ٹوٹ رہا تھا آنکھوں میں دھن اور سر بوجھل تھا۔ وہ رات گئے تکیے میں سر دیے بے آواز روتی رہی تھی۔ ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ کیلے بالوں کو سکھانے کے بعد اس نے برش کیا۔ تب ہی دروازہ کھلا اور فراز مسکراتا ہوا اندر آیا۔

”گڈ مارننگ! ناشتا کرتے ہیں۔ ڈائننگ روم میں سب آپ کے منتظر ہیں۔“ وہ بہت نرمی سے بات کر رہا تھا۔  
 وہ مجبوراً اس کے ساتھ چلنے لگی۔ زینب، دانیہ نے اسے دیکھتے ہی گلے لگایا۔

زینب اور دانیہ ان کے شوہر اور بچے سب بہت محبت سے پیش آرہے تھے، لیکن اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔  
 ”آئیے بھابی میں آپ کو گھر دکھاتی ہوں۔“ دانیہ بولی۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔ گھر سے امارت کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بے دلی سے سب دیکھ رہی تھی۔ دانیہ ہی نہیں آنے والے وقت میں سب اس کے روکھے پن اور پیزاری کو سمجھ گئی۔

زینب نے دونوں کے لیے شمالی علاقہ جات گھومنے کا پروگرام ترتیب دے دیا تاکہ انہیں آرام سے کچھ دن ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ زینب انکار کرنا چاہتی تھی، لیکن کیا بہانہ کرتی، مجبوراً جانا پڑا۔

ٹھنڈی ہوائیں، اونچے اونچے سرسبز راستے، صاف شفاف پانی، حسین نظاروں میں وہ کھوی گئی۔ ”کاش! میں یہاں علی کے ساتھ آتی۔“ وہ اداس ہوئی۔

”علیہ! شادی سے پہلے میرا دل چاہتا تھا کہ میں اور تم اس موسم میں سنسان سڑک پر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دور تک چلتے رہیں۔ جب تک تھکن سے چور نہ ہو جائیں۔“ فراز نے کہا۔

”میرے سر میں پین ہے۔“ علینہ نے بیزارى سے کہا۔ فراز کے مسکراتے لب یکدم سکڑ گئے۔

”علینہ! تم میرے ساتھ خوش ہو؟“ فراز کی آنکھوں میں کسی گہری سوچ کی پرچھائیاں رہی تھیں۔

”ابھی تو زندگی کا آغاز ہے، ابھی سے کیا کہوں؟“ علینہ نے قدرے روکھے پن سے جواب دیا۔

علینہ ہوٹل میں اپنے کمرے میں آتے ہی سو گئی تھی۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ فراز نے بے معنی سوچوں سے

البتحے ہوئے کروت لے لی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی بے ارادہ ہی اس کا ہاتھ نیند میں ڈوبی علینہ کے کندھے تک چلا

گیا۔ جسے اس نے نیند میں کسمسا کر جھٹک دیا اس کے جذبوں پہ برف کی سل آ گری تھی۔ کتنی اجنبی اور غیر لگتی تھی۔ وہ اٹھ کر

کھڑکی کے پاس آیا۔ ہوا کے نرم جھونکوں کو محسوس کرتا رہا۔ ایک کسک تھی، اندر، وہ بے چین سا ہو کر ٹپٹلے لگا، یہاں تک کہ فجر

کی اذان ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن فراز اور علینہ واپسی کے لیے خاموشی سے تیار ہو رہے تھے۔ دانیہ اپنے سرال جا چکی تھی جبکہ نینب

ان کے انتظار میں تھی۔ انہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، کھانے کے ٹیبل پر صرف علینہ اور فراز تھے۔ وہ انتہائی بے دلی سے

کھا رہی تھی۔ فراز نے بھی کھانے میں رغبت نہیں دکھائی تھی۔ ملازمہ برتن اٹھا کر لے گئی تھی۔ نینب بغور انہیں دیکھ رہی تھی،

آخر کار بول پڑی۔

”آپ دونوں کے درمیان اتنی لاتعلقی اور بیگانگی کی وجہ کیا ہے؟“

”نینب! تمہیں وہم ہو گیا ہے، ہم اچھی لائف گزار رہے ہیں اور بہت خوش ہیں۔ علینہ اس گھر میں نئی ہے۔

اسے ٹائم لگے گا ایڈجسٹ ہونے میں۔“ فراز اطمینان سے بولا۔

”میں کل واپس اسلام آباد جا رہی ہوں۔“ نینب نے بتایا۔

”آپ دونوں جلدی میرے گھر آئے گا۔“

”ضرور۔“ فراز مسکرایا، علینہ کا منہ بن گیا تھا۔

نینب کے جاتے ہی علینہ کو آزادی مل گئی تھی۔

”علینہ! دانیہ کا فون آیا تھا اس نے آج ہم دونوں کی دعوت کی ہے۔“ علینہ ٹی وی دیکھنے میں مشغول تھی جب

فراز بولا۔

”مجھے ان فضولیات کا شوق نہیں ہے۔“ علینہ نے منہ بنا کر جواب دیا اور ٹی وی کا ولیم تیز کر دیا۔

☆☆☆

وہ صبح اس کے لیے بہت اداسی لیے ہوئے تھی۔ دل کی بے تابی اسے بے چین کیے دے رہی تھی اور اس پل اس

نے علی سے ملاقات کا سوچا تھا۔

”علینہ! تم یہاں؟“ علی حیران ہوا۔

”کیوں.....“ میں یہاں نہیں آ سکتی کیا؟

علی مزید کچھ کہے اس کے ساتھ اندر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد علینہ نے پوچھا۔

”علی! مجھ سے ناراض ہو؟“

”کیا مجھے ناراض ہونا چاہیے۔“

”آف کورس، علینہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔“  
”لیکن میں تم سے ناراض نہیں رہ سکتا۔“ علی بے بسی سے بولا۔  
”تم خوش ہو؟“

”کیا میں تمہارے بنا خوش رہ سکتی ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

علینہ نے بغور علی کو دیکھا۔ کچھ ہی دنوں میں اس میں بہت نمایاں فرق آ گیا تھا۔ بھاری گھٹکھریا لے بال خاصے الجھے اور بے ترتیب تھے۔ اس کا سرخ و سفید رنگ، سانولا لگ رہا تھا، آنکھوں کے پونٹے رت جکے کی وجہ سے سو جے ہوئے تھے۔ آنکھیں سرخ اور ہونٹ بے تحاشا سگریٹ پینے سے سیاہ ہو چکے تھے اور برسوں کا بیمار لگ رہا تھا۔ وہ شدید دکھ اور ذہنی اذیت کی کیفیت میں تھا۔ علینہ کو اپنا دل کتنا محسوس ہوا۔ وہ اس کی حالت کا خود کو ذمے دار سمجھنے لگی تھی۔  
”علی! یہ کیا حال بنا لیا ہے۔“ علینہ نے نم آنکھوں سے پوچھا۔

”حال اس سے برا ہونا چاہیے تھا۔“ علی دکھ سے بولا۔

”تم جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ ہم باہر چلتے ہیں۔“

”میں پہلے چائے بنا کے لاتا ہوں۔“ علی کھڑا ہوا۔

”نہیں! ہم باہر ڈنر کریں گے۔“

علینہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ مال میں لے آئی اور اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے لیے قیمتی پینٹ شرٹس اور پرفیوم خرید لیے۔

”علینہ! تم نے بلا وجہ مجھ پہ اتنے پیسے برباد کر دیے۔“ ڈنر کے دوران علی نے کہا۔

”وہ میری اور تمہاری سوچ سے کہیں زیادہ امیر ہے۔“ علینہ بے نیازی سے بولی۔  
”اندازہ ہو رہا ہے۔“ علی مرعوب ہوا۔

☆☆☆

علینہ ڈرائیور کے ساتھ صالحہ خاتون سے ملنے گئی تھی۔

”علینہ تم دانیہ کے گھر دعوت پہ کیوں نہیں گئی تھیں؟“

صالحہ خاتون کی نہ نب اور دانیہ سے فون پہ بات ہوتی رہتی تھی۔ انہوں نے ہی صالحہ خاتون کو یہ بتایا تھا۔

”امی! میرے سر میں درد تھا۔“ علینہ نے منہ بنایا۔

”علینہ! ابھی وقت ہے تم اپنی غلطیوں کو سدھار سکتی ہو۔ وقت گزر گیا تو پچھتاہی رہ جاؤ گی۔“ صالحہ نے سمجھایا۔

”امی! میں نے آپ کی پسند سے شادی کی ہے۔ اب بھی آپ خوش نہیں ہیں؟“ علینہ ناراض ہوئی۔

”بیٹا! تم بہت نادان ہو، ڈرتی ہو، کہیں ایسی غلطی نہ کرلو، جس کا خمیازہ تمہیں ساری زندگی بھگتنا پڑے۔“

”امی! سب سے پہلے آپ میرے بارے میں یہ غلط فہمی ختم کر لیں کہ میں نادان ہوں۔“ علینہ چڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اب علینہ، فراز کے جاتے ہی سارا وقت علی کے ساتھ سیر و تفریح میں گزارتی اور رات کو واپس آتی۔ فراز آفس

سے اس کی خیریت دریافت کرنے کے لیے جب بھی کال کرتا ہے اسے علیہ کا نمبر آف ملتا۔ گھر کے نمبر پہ فون ملاتا تو ملازمین بتاتے، وہ گھر پہ نہیں ہیں۔ پہلے وہ سمجھا شاید اکیلی گھر میں بور ہوتی ہے اس لیے اپنی امی کے پاس چلی جاتی ہوگی لیکن وہ اس وقت چونکا جب صالحہ خاتون نے فراز کو کال کر کے بتایا کہ علیہ کا کئی دن سے نمبر آف ہے اور وہ ملنے بھی نہیں آئی۔ یہ صورت حال پریشان کن تھی۔

سوچ سوچ کے فراز کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ بات اس کی برداشت سے بڑھ گئی تھی۔ اسے علیہ پر شک تو ابتدا میں ہی ہو گیا تھا۔ آج اسے پختہ ہو گیا تھا کہ علیہ کسی اور کسی کو پسند کرتی ہے۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ علیہ کا انتظار اسے مزید کرب میں مبتلا کر رہا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے، تب ہی وہ اندر آتی نظر آئی۔

”علیہ! آج تم کس کے ساتھ تھیں؟“ فراز کا سوال اچانک اور غیر متوقع تھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

”کیا میں یہ سمجھوں کہ مجھ سے تفتیش کی جارہی ہے۔“ علیہ نے غصے سے کہا۔

”میرے سوال کا جواب دو۔“ فراز نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”میں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔“ علیہ نے نگاہیں چرائیں۔

”میں نے تم سے پوچھا وہ لڑکا کون ہے اور تم اس سے کیوں ملتی ہو۔“ فراز نے سرد انداز میں کہا۔

”یہ میرا پرسنل میٹر ہے آپ کو مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے ایسا کوئی حق آپ کو نہیں دیا جس کی بنا پر آپ مجھ

سے یہ سوال کریں۔“ علیہ بدتمیزی سے بولی تھی۔ فراز کو اس کی ڈھٹائی پہ رنج کے ساتھ شدید غصہ آیا۔

”علیہ! میں تمہیں جتنا برداشت کر رہا ہوں تم.....“

”مت کریں برداشت میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“ علیہ نے اس کی بات کاٹ کر فوری جواب دیا۔

”کول ڈاؤن علیہ، آرام سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔“

فراز نے شدید غصے کو ضبط کر کے اس نادان کو سمجھانا چاہا۔ ”جو میرا فیصلہ آج ہے وہ ہی کل ہوگا۔“ علیہ نے

انتہائی سکون سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میری ایک بات یاد رکھنا جو لوگ دل کے راستے پہ آنکھیں بند کر کے چلتے ہیں ان کو شرمندگی کا

سامنا کرنا پڑتا ہے۔“

فراز نے آخری مرتبہ سمجھاتے ہوئے اپنا فرض ادا کیا۔

”میں آپ کے ساتھ کسی حال میں خوش نہیں رہ سکتی۔ آپ پلیز مجھے آزاد کر دیں۔“ اتنی بڑی بات علیہ نے

بہت آسانی سے کہہ دی تھی۔

”میں تمہیں بدزبانی اور بے حیائی کی بنا پر اپنے پورے ہوش و حواس میں طلاق دیتا ہوں۔“

”طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔“

کہتے ہوئے فراز کی زبان کا پٹی، لیکن تیرکمان سے نکل چکا تھا۔

”تم اس گھر سے جو لے کر جانا چاہو، لے جاسکتی ہو۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔“ فراز یہ کہہ کر گھر سے چلا

گیا۔



علینہ بہت نارمل انداز میں اپنے بیدروم میں آئی اور اپنے سوٹ، زیورات اور تمام قیمتی سامان سمیٹ کر کئی بیگز تیار کروا کے گاڑی میں رکھوائے اور ڈرائیور کو علی کے فلیٹ کا ایڈریس بتایا۔

☆☆☆

ڈرائیور گاڑی سے علینہ کے بیگ اتار رہا تھا۔ فلیٹ پہ تالا دیکھ کر علینہ جھنجلائی اور سامنے والوں کا دروازہ بجایا۔ ایک عورت نے دروازہ کھولا۔

”آئی! علی کے گھر تالا کیوں لگا ہے؟“ یہ کہاں گیا۔

”تم علینہ ہو؟“ عورت نے سوال کیا۔

علینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ عورت اندر سے ایک لفافہ لائی۔ ”علی نے یہ تمہارے لیے دیا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی گیا ہے۔“ علینہ نے جلدی سے لفافہ کھولا اور کاغذ نکال کر پڑھنے لگی۔

”علینہ! تمہیں پہلی مرتبہ دیکھ کر لگا، تم ہی وہ لڑکی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے تم سے محبت کی لیکن صرف اس وقت تک جب تک تمہاری شادی نہیں ہوئی تھی شادی کے بعد تمہارا انیا روپ دیکھا، جو خود غرض اور مفاد پرست لڑکی کا تھا۔ تم خوش قسمت ہو تمہیں فراز جیسا شوہر ملا۔ میں کبھی فراز جیسا شوہر نہیں بن سکتا۔ تم فراز کی قدر کرنا اور مجھے بھول جانا۔ میں اپنے ماموں کے پاس جا رہا ہوں۔ کل میرا ان کی بیٹی نمبرہ سے نکاح ہے۔ میں ہمیشہ کے لیے یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔“ خط پڑھ کر علینہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا اچھا گیا۔ اس کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ اس نے چکراتے ہوئے دیوار کا سہارا لیا اور خود کو گرنے سے بچایا اور بے ساختہ گاڑی کو دیکھا جو اس سے بہت دور جا چکی تھی۔ بالآخر گاڑی موڑ کاٹ گئی اور علینہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ علینہ سات بھاری بیگز کے ساتھ تنہا کھڑی رہ گئی۔

☆ ختم شد ☆